ماہنامہ

نقوش راہ

Nov 2019

نقوش راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پہ مسافر پریشاں بیٹھے ہیں

بلغ العلی بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہٖ

پہنچے وہ بلندی پر اپنے کمال سے
چھانٹ دیا اندھیرے کو اپنے جمال سے
اچھی ہیں آپ کی تمام ہی عادتیں
سلام ہو آپ پر اور آپ کی آل و اولاد پر

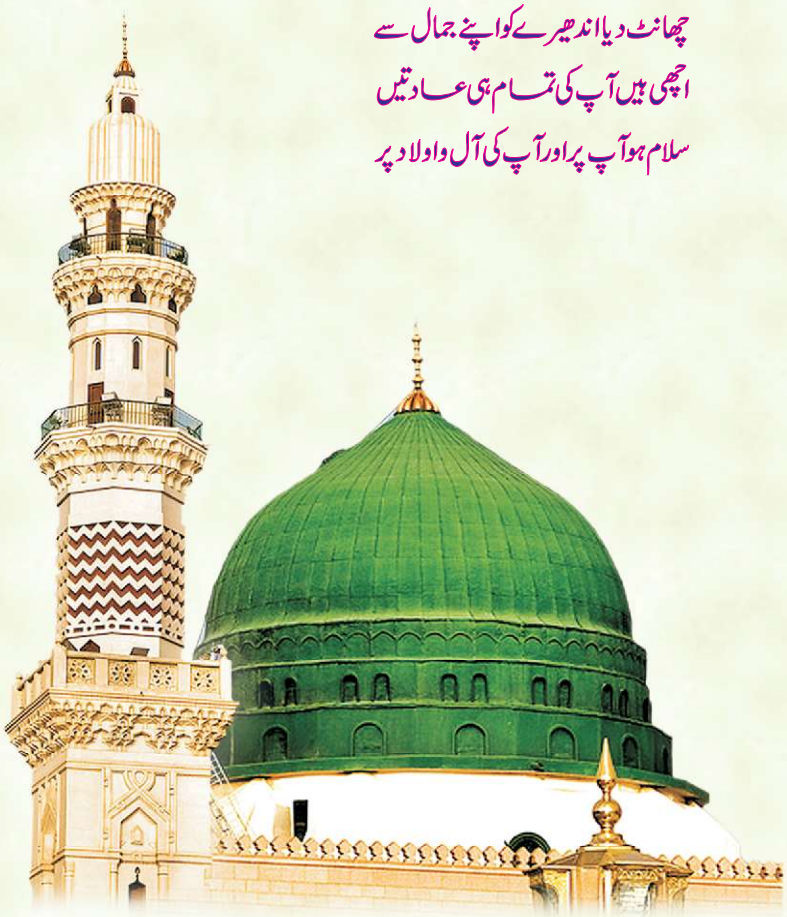

کلامِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ:

"مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِي حُبًّا نَاسٌ يَكُونُونَ بَعْدِي يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَآنِي بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ"

(صحیح مسلم: کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں سے میرے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت کرنے والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو میرے بعد آئیں گے۔ ان میں کا ایک ایک شخص یہ تمنا کرے گا کہ وہ اپنی سب دولت ہاتھ سے دے کر اور اپنا گھر بار لٹا کر مجھے ایک نظر دیکھ سکے تو دیکھ لے۔''

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوش راہ

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

جلد:02 شمارہ:10

نومبر 2019ء، ربیع الاوّل/ربیع الآخر ۱۴۴۱

فہرست مضامین

اداریہ	ڈاکٹر محمد وجیہ القمر	04
درسِ قرآن: قصۂ بنی اسرائیل	ابن مظفر	05
ذکر اور عمل	عبدالغفار عزیز	07
جماعت اور نظم سے انحراف	مصطفیٰ مشہورؒ	09
دورِ حاضر کی مشکلات کا حل: اسوۂ نبویؐ	سید اسعد گیلانی	13
فحاشی و عریانیت کا مسئلہ اور تعلیماتِ نبویؐ	پروفیسر مونسہ بشریٰ عابدی	18
قیادتی اوصاف سیرتؐ کی روشنی میں	ابوظفر عادل اعظمی	23
وید کیسے وجود میں آئے؟	سید حامد علی	29
گوشۂ خواتین: غزواتِ نبوی ﷺ میں خواتین۔۔۔	محمد یٰسین مظہر صدیقی	32
گوشۂ اطفال: نبی ﷺ کے بچپن کا ایک گوشہ		34
ثقافت کی تلاش	نسیم حجازی	35
اقبالیات: مسلمان کا زوال	ابن سلطان	38
توہینِ رسالتؐ کی سزا	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	39
کیا ہمارا پیسہ بینکوں میں محفوظ ہے؟	سراج الدین فلاحی	40
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو	ایس احمد پیرزادہ	43

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد وجیہ القمر

ایڈیٹر

منہاج الاسلام فلاحی

معاون ایڈیٹر

جاوید مومن

مجلس ادارت

❁ محمد جمیل ❁ سید ریحان

❁ معاذ احمد جاوید ❁ محمد مبشر

❁ اُسامہ عظیم فلاحی ❁ عمار احسن ندوی

سرکولیشن منیجر

شیخ عمران

زرتعاون

فی شمارہ:-/20

سالانہ:-/220

Current A/c Name : Nukush E Rah
A/c No.: 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

رحمۃ للعالمین ﷺ کی سیرت ہر دور، ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لیے بہترین اور حقیقی عملی راہ نمائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کا مطالعہ کیجیے اور ساتھ میں سیرت کی کتابوں کو پڑھیے تو حالات خواہ کیسے ہی ہوں، اُن کے مطابق کام کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟ اس کا خاکہ یا Road Map آپ آسانی سے تیار کر سکتے ہیں۔ پوری دنیا آج جن مشکلات و مسائل سے دو چار ہے، ان کا حل اسوۂ نبوی ﷺ میں یقیناً موجود ہے، بہ شرطِ کہ دیدۂ بینا حاصل ہو۔ گزشتہ چودہ صدیوں سے تقریباً ہر طبقہ و ہر مذہب کے بے شمار افراد نے سیرۃ النبی ﷺ سے اپنے اپنے ظرف و استعداد کے مطابق استفادہ کیا۔ ماضی میں جس کسی نے بھی استفادہ کیا، خواہ وہ مسلم رہا ہو یا غیر مسلم، اسے راہ نمائی ملی، اسی طرح حال و مستقبل میں بھی یقیناً ہر ایک کو راہ نمائی ملتی رہے گی۔۔۔ لیکن کام یابی و کام رانی سے صرف وہی خوش نصیب ہم کنار ہوں گے۔۔۔ جو اس راہ کے راہی ہوں۔۔۔ جنہیں اپنے قائد ﷺ سے محبت اصلی ہو، اتنی شدید محبت کہ انہیں توہین رسالت بالکل ہی برداشت نہ ہو۔۔۔ اور وہ اس کی ناموس پہ اپنا سب کچھ یہاں تک کہ جان بھی قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہوں اور اسے وہ اپنی سب سے زیادہ عزیز پونجی سمجھتے ہوں۔۔۔ جنہیں یہ یقینِ کامل ہو کہ دنیا و آخرت کی کام یابی صرف اسوۂ نبوی ﷺ کی اتباع میں ہے۔۔۔ جو توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ اسلام کو ایک مکمل نظام مانتے ہوں۔۔۔ جو اسلام کے ایک پہلو کے بجائے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر دعوت و جہاد کے میدان میں سرگرم عمل ہوں۔۔۔ جو حالات کی سختی دیکھ کر راہِ محمد ﷺ سے نہ ہٹنے والے ہوں اور نہ آسانی پا کر دنیا میں مشغول اور مستی میں گم ہو جانے والے ہوں۔ ارشادِ ربانی ہے:

'درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔' (سورہ احزاب:21)

ملک و ملت کے موجودہ حالات میں ہمارے لیے اشد ضروری ہو جاتا ہے کہ اسوۂ نبی ﷺ سے رہ نمائی حاصل کریں اور دوسرے تمام مذاہب و طبقات کو رہ نمائی فراہم کریں۔ بھارت کے مسلمانوں کی آزمائش اِس وقت کچھ زیادہ بڑھی ہوئی ہے ___ ویسے کچھ 'دور اندیش' حضرات اسے غلط قرار دے رہے ہیں ___ لنچنگ اور فسادات کے ذریعہ انہیں ختم کرنے کی کوششیں جب ناکام ہوتی نظر آرہی ہیں تو انہیں غیر ملکی قرار دینے، ملک سے بھگانے یا ملک کے اندر ہی ان کی زندگی کو تنگ و تاریک بنانے کا متکبرین الگ الگ انداز سے اظہار کر رہے ہیں۔ بابری مسجد کے مقدمہ کے سلسلے میں انہیں خریدنے اور ڈرانے کی کوششیں بہت ہو چکیں اور اب جب کہ ہو سکتا ہے فیصلہ آجائے ___ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ماہ فیصلہ نہیں بھی آئے ___ انہیں انتہا درجہ تک خوف زدہ کرنے کی ناپاک جدوجہد جاری ہے۔ ایسے میں ہمیں مکہ کے تیرہ سالہ دورِ نبوت، ہجرت اور صلح حدیبیہ سے پہلے مدینہ کے حالات بالخصوص غزوۂ خندق کے حالات سے نصیحت پکڑنی چاہیے۔ ایسا لگتا تھا کہ سارے دشمنانِ اسلام مل کر دین اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔۔۔ نخوت کے نشے میں چور ذلت کے گڑھے میں اوندھے منہ گرا دیے گئے۔۔۔ لیکن۔۔۔ ایسا نہیں ہوا کہ مسلمان عملی میدان سے دور رہے، مسلمان اپنی ذمہ داریاں خلوص وللہیت کے ساتھ ادا کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ اپنی سنت پوری کرتا رہا۔ ایسے ہی اس وقت ہمیں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی ہوں گی۔

سب سے پہلے ہم تمام کو، خواہ عامۃ المسلمین ہوں یا خواص، اپنے ایمان کو مضبوط کرنا پڑے گا، اور یہ کم وقت میں بھی ہو سکتا ہے۔ صحابہؓ ایمان لاتے تھے اور ان کا ایمان کچھ ہی دیر میں اتنا مضبوط ہوتا تھا کہ وہ اس کے لیے اپنی جان، مال، گھر و خاندان سب کچھ قربان کر دیتے تھے۔ موسیٰؑ پر ایمان لانے والے جادوگر کی ایمانی کیفیت کا مطالعہ اس سلسلے میں کافی مفید ہے۔ ایمان کے بعد اسلام یعنی "عمل" منزل تک پہنچنا آسان اور یقینی بناتا ہے لیکن یہ میدانِ عمل قربانیاں چاہتا ہے، آزمائشوں میں صبر کا مطالبہ کرتا ہے اور اخوت و حسنِ تعلقات کو بھی اپنا سنگ میل قرار دیتا ہے۔ ان تمام کے بغیر اگر ہم میدان میں باقی رہنا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر میدان جیتنا چاہتے ہیں تو یہ محض خواب و خیال ہے، اور کچھ بھی نہیں۔ میدانِ عمل میں جب دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو پسپائی و فرار کے بجائے ڈٹ کر مقابلہ کرنا کام یابی سے ہم کنار کرتا ہے۔ فسادات اگر کبھی شروع ہو جائیں تو ایسے ماحول میں اپنی جان بچانا فرض ہے، اس کے لیے ہمیشہ تیار رہنا دین و ایمان کو بچا سکتا ہے اور دوسروں کے بھروسے بے وقوف بن کر اپنی جانیں گنوانا دین و دنیا دونوں کو لے ڈوبنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اللہ سے دعاء، نیک بندوں سے مشورہ اور مضبوط منصوبہ بندی بھی سیرت کے مطابق اہم اور ضروری ہیں۔ اللہ ہم سب کو ایمان پہ قائم رکھے اور اسی پر خاتمہ فرمائے۔ آمین!

ابن مظفر فلاحی

قصۂ بنی اسرائیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ ۚ وَ اِیَّایَ فَارۡہَبُوۡنِ (۴۰) وَ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ وَ لَا تَکُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِہٖ ۪ وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۫ وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ (۴۱) وَ لَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَ تَکۡتُمُوا الۡحَقَّ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (۴۲) وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ (۴۳) اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَ تَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (۴۴) وَ اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ ؕ وَ اِنَّہَا لَکَبِیۡرَۃٌ اِلَّا عَلَی الۡخٰشِعِیۡنَ ۙ (۴۵) الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ وَ اَنَّہُمۡ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ع (۴۶) (سورۃ البقرہ)

ترجمہ: اے بنی اسرائیل! ذرا خیال کرو میری اس نعمت کا جو میں نے تم کو عطا کی تھی، میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا اسے تم پورا کرو، تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا اسے میں پورا کروں گا اور مجھ ہی سے تم ڈرو۔ اور میں نے جو کتاب بھیجی ہے اس پر ایمان لاؤ، یہ اس کتاب کی تائید میں ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی، لہٰذا سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ تھوڑی قیمت پر میری آیات کو نہ بیچ ڈالو اور میرے غضب سے بچو۔ باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ اور نہ جانتے بوجھتے حق کو چھپانے کی کوشش کرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔ تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لیے کہتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالاں کہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے؟ صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر ان فرماں بردار بندوں کے لئے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

ربط: قصۂ آدم و ابلیس کے تذکرے کے بعد اب بالتفصیل اہل کتاب کے سلسلے میں بتایا جارہا ہے۔ جب انہوں نے انسان کے ازلی دشمن ابلیس سے دوستی کرلی تو کس طرح پوری قوم گم راہی میں مبتلا ہوگئی اور کس طرح ان کے اعمال کی وجہ سے زمین فساد سے بھر گئی۔ اس تذکرے سے اصلاً امت محمدیہ کو آگاہ مقصود ہے کہ اگر وہ بھی ابلیس کے پیروکار ہوئے تو وہ بھی زمین میں فساد پھیلانے کا سبب بنیں گے لہٰذا انہیں چاہیے کہ یہود و نصاریٰ

کی گمراہی کو خوب اچھی طرح پہچان لیں اور اس سے بچیں ورنہ وہ بھی ابلیس کے دوست سمجھے جائیں گے۔

دوسری طرف اہل کتاب کو یہ بتایا جارہا ہے کہ جرائم وگناہ کیا ہیں؟ اب ان کے نجات کی ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ محمد ﷺ کی اتباع کرلیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہو جائیں۔

تشریح وتوضیح:-

☆ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان نعمتوں کی یاد دہانی کرائی ہے جو کہ اللہ نے اس قوم کو عطا کی تھی۔ نیز نصیحت کی کہ تم مجھ سے کئے ہوئے عہد و پیماں کو پورا کرو میں تم سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کروں گا۔

وہ عہد ہے خدا اور رسول کی اطاعت کا عہد نیز اس بات کا عہد کہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاؤ گے اور آپ ﷺ کا ساتھ دو گے۔ اس عہد کے پورا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ دنیا میں سربلندی عطا کرے گا اور آخرت میں جنت عطا کرے گا۔ یہی وعدہ امت محمدیہ سے بھی ہے کہ وہ خدا اور رسول کی اطاعت وحمایت کا عہد کریں اور دنیا میں سربلندی اور آخرت میں نجات حاصل کریں۔

☆ بنی اسرائیل سے کہا جارہا ہے کہ اس قرآن پر ایمان لاؤ۔ یہ قرآن اس کتاب کے مصداق ہے جو اس سے قبل نازل کی گئی تھی یعنی توریت وانجیل۔ یہ کتاب تم پر نازل کئی گئی کتاب کی تصدیق کررہی ہے۔ تمہیں تو چاہیے تھا کہ تم سب سے بڑھ کر اس کی تصدیق کرتے۔ اس کی تکذیب کرکے تم اصلاً اپنی کتابوں کی بھی تکذیب کررہے ہو کیوں کہ یہ تو تمہاری کتابوں کی تصدیق کررہی ہے اور ان میں وارد احکامات کا بھی تذکرہ کررہی ہے لیکن تمہارا معاملہ تو یہ ہوا کہ تم ہی اس کی بڑھ چڑھ کر تکذیب کرنے لگے۔ اس کا انکار کرکے خواہ تم دنیا کی تمام چیزیں حاصل کرلو وہ سب بھی اس کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہیں لہذا اس تھوڑی سی قیمت کے عوض میری آیت کو نہ بیچو۔

اگر تم ہماری آیت کا انکار کسی صاحب اقتدار کے خوف کے سبب کررہے ہو تو یہ بھی تمہارے لیے مناسب نہیں۔ تمہیں چاہئے کہ تم صرف مجھ سے ڈرو، میرے علاوہ کسی سے خوف نہ کھاؤ۔

☆ اہل ایمان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں حق و باطل کا امتیاز قائم کرکے دنیا کو واضح طور پر بتائیں کہ حق یہ ہے اور باطل یہ۔ حق و باطل کو گڈمڈ کرنے کا عمل اس وقت ہوتا ہے جب اہل حق مادی لالچ یا خوف کے سبب باطل کو باطل کہنے کی ہمت کھو دیتے ہیں۔ اس وقت یہ ان کی مجبوری بن جاتی ہے کہ وہ حق و باطل کو گڈمڈ کردیں۔ وہ حق کا انکار تو نہیں کرپاتے البتہ باطل کو باطل کہنے میں پس وپیش کرنے لگتے ہیں اس طرح پھر وہ حق و باطل کو گڈمڈ کردیتے ہیں۔ حق و باطل کو واضح نہ کرنا بھی حق کو چھپا لینے ہی جیسا ہے لہذا اس جرم سے اہل کتاب کو بچنے کی تلقین کی جارہی ہے کہ تم حق کو نہ چھپاؤ۔ تم جان بوجھ کر حق کو چھپا رہے ہو جب کہ یہ بہت بڑا جرم ہے۔

☆ خوف ولالچ کا شکار ہو کر قوم اپنے دین کے بنیادی ارکان کو بھی ترک دیتی ہے۔ پھر وہ صرف ایک قوم بن کر رہ جاتی ہے اور دنیا میں اپنی انفرادیت وافادیت کھو دیتی ہے۔ پھر نہ تو اس کا تعلق اپنے رب سے باقی رہتا ہے اور نہ اپنی قوم سے۔ بالفاظ دیگر وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو چھوڑ دیتی ہے۔ نماز حقوق اللہ اور زکوۃ حقوق العباد کا ذریعہ ہے۔ بنی اسرائیل نے ان دونوں عبادتوں میں نہ صرف یہ کہ کوتاہی شروع کر دی تھی بلکہ ان کی اکثریت نے ان دونوں عبادتوں کو یکسر بھلا دیا تھا۔ لہذا انہیں نصیحت کی جارہی ہے کہ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہو جاؤ۔ اب تمہارا طریقہ نماز منسوخ ہو چکا اب اس طرح نماز ادا کرو جیسا کہ مسلمان ادا کرتے ہیں۔ اس سے امت محمدیہ کو یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ نماز و زکوۃ قوم کے عروج وزوال میں کتنا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

☆ دوسروں کو نصیحت کرنا اور خود کو اس نصیحت کا عادی نہ بنانا ایک سنگین جرم ہے۔ عام طور پر پیشہ ور واعظ وناصح کا یہ رویہ ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل میں ایسے پیشہ ور واعظ وناصح کافی پائے جاتے ہوں گے جیسا کہ ہم آج اپنی قوم میں دیکھتے ہیں۔ نصیحت کرنا ان کا پیشہ ہوتا ہے۔ اپنی چرب زبانی کے سبب یہی لوگ قوم کے پیشوا بن جاتے ہیں جس کا ہم آج بھی مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ ایسے ہی پیشوا پر نکیر کی جارہی ہے۔ دوسروں کو وعظ ونصیحت کرنا اور خود اس کے خلاف زندگی گذارنا قائدین کا یہ انتہائی سنگین مسئلہ ہے۔ واعظین وناصحین کا یہ رویہ قوم کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔

☆ قومی مسئلہ ہو یا انفرادی مسئلہ، نماز وصبر کے ذریعہ اللہ سے مدد طلب کرو۔ صرف اللہ سے ڈرنے والے ہی ان دونوں کے علاوہ کسی اور امداد کے ذرائع پر بھروسہ نہیں کرتے۔

ذکر اور عمل

عبدالغفار عزیز

رحمتہ للعالمین ﷺ نماز پڑھا رہے تھے۔ ایک صحابیؓ نے نماز میں شریک ہوتے ہوئے اللہ اکبر کہنے کے بعد نسبتاً بلند آواز میں کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ''اللہ کی بڑائی اتنی بیان کرتا ہوں جتنا کہ بڑائی بیان کرنے کا حق ہے۔ انتہائی کثرت سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اور صبح وشام اسی کی تسبیح کرتا ہوں''۔ آپؐ نے سلام پھیرنے کے بعد پوچھا: ''یہ کلمات کن صاحب نے کہے تھے؟'' ایک صحابیؓ نے عرض کیا: میں نے یارسولؐ۔ آپؐ نے فرمایا: عَجِبْتُ لَھَا، فُتِحَتْ لَھَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ ''مجھے ان کلمات پر بڑی خوشی ہورہی ہے۔ ان کے لیے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیے گئے''۔ صحیح مسلم میں روایت کی گئی یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کی ہے۔ وہ مزید فرماتے ہیں: میں نے جب سے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے، اس کے بعد سے نماز میں یہ کلمات کہنا نہیں چھوڑے۔

ایک اور موقعے پر آپؐ امامت کررہے تھے۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے آپ نے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (جس نے اللہ کی حمد بیان کی، اللہ نے اسے سن لیا) فرمایا تو مقتدیوں میں سے ایک صحابی بے اختیار پکار اٹھے: رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ، حَمْدًا کَثِیْرًا، طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ ''اے ہمارے رب! ساری تعریفیں تو ہیں ہی آپ کے لیے۔ بے انتہا تعریفیں، پاکیزہ اور برکتوں والی تعریفیں''۔ نماز ختم ہونے کے بعد آپؐ نے پوچھا یہ کن صاحب نے کہا تھا؟ صحابیؓ نے جب بتایا کہ میں نے یارسولؐ اللہ! تو آپؐ نے فرمایا: میں نے ۳۰ سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے پہلے یہ کلمات لکھنا چاہتے تھے۔ (بخاری، حدیث: ۷۹۹، عن رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ) ایک صبح آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ کو بلایا اور پوچھا: بِمَ سَبَقْتَنِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ الْبَارِحَۃَ، سَمِعْتُ خَشْخَشَتَکَ اَمَامِیْ ''رات میں نے جنت میں خود سے آگے آپ کے قدموں کی چاپ سنی، آپ اپنے کس عمل کی وجہ سے مجھ سے آگے نکل گئے؟'' ایک امتی بھلا کیسے رحمۃ للعالمینؐ سے آگے نکل سکتا ہے؟ لیکن صحابیؓ کی حوصلہ افزائی اور امت کو ترغیب دینا مقصود تھا۔ جناب بلالؓ نے کچھ دیر سوچ کر جواب دیا: یارسولؐ اللہ! جب بھی اذان دیتا ہوں تو دو رکعت نماز ادا کرلیتا ہوں اور جیسے ہی وضو کی حاجت ہوتی ہے، وضو تازہ کرلیتا ہوں۔ آپ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: بِھٰذَا ''یقیناً اسی عمل کی وجہ سے''۔

اس موقعے پر وہ تمام احادیث بھی ذہن میں تازہ کرلیں جن میں آپؐ نے بعض اعمال اور تسبیحات واذکار کا ڈھیروں اجر بتایا ہے مثلاً: کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ والی حدیث ''دو کلمے ادا کرنے میں تو بہت آسان، روز قیامت میزان میں بہت وزنی اور رحمٰن کو انتہائی پسندیدہ ہیں اور ان کے اجر سے زمین وآسمان کے مابین ساری فضا بھر جاتی ہے'' اور وہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

(بخاری، کتاب التوحید، حدیث: ۱۲۹۳)

اب ایک طرف یہ ایمان افروز واقعات وفرمودات ہیں، آسان عبادات کا اجر عظیم ہے، اور دوسری جانب آپؐ اور صحابہ کرامؓ کی حیات طیبہ میں ہمہ پہلو جہاد، جہد مسلسل، سنگین ابتلائیں اور آزمائشیں ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟ ہمارے معاشرے میں بدقسمتی سے دونوں جانب اس قدر افراط وتفریط کا رویہ اختیار کرلیا جاتا ہے، کہ یا تو چند اذکار ہی کو دین کامل سمجھ لیا جاتا ہے یا بزعم خود جہاد وجہد مسلسل میں اتنا مصروف ہوجاتے ہیں کہ اوراد واذکار تو کجا، فرائض وسنن تک کی اہمیت عملاً ثانوی لگنے لگتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں پہلوؤں پر یکساں اور

بھرپور توجہ دی جائے۔ دونوں پہلو لازم وملزوم اور ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔ ایک معدوم ہوا تو دوسرا بھی کالعدم قرار پاجاتا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے الفاظ میں: ''یہ کام جس کے لیے ہم ایک جماعت کی صورت میں اٹھے ہیں، یہ تو سراسر تعلق باللہ کے ہی بل پر چل سکتا ہے۔ یہ اتنا ہی مضبوط ہوگا، جتنا اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق مضبوط ہوگا اور یہ اتنا ہی کمزور ہوگا جتنا خدانخواستہ اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق کمزور ہوگا''۔

سابق الذکر ان تینوں واقعات ہی کو دیکھ لیجیے۔ جنت میں حضرت بلالؓ کے قدموں کی چاپ ان کے ہمیشہ باوضو رہنے کی وجہ سے سنائی دی لیکن اس سے قبل یہی بلالؓ مکہ کے ریگ زاروں پر گھسیٹے گئے۔ تنور کی طرح دہکتی ریت پر لٹا کر، انگاروں کی طرح جھلستے پتھر سینے پر رکھ دیے گئے لیکن اللہ کا وہ بندہ ایک ہی نغمۂ توحید بلند کرتا رہا: اَحَدٌ... اَحَدٌ... اَحَدٌ۔ اسی طرح جن صحابہؓ نے بے ساختہ دوران نماز حمد وتسبیح کے کلمات ادا کیے، وہ خود کو دین کامل میں اس طرح کھپا دینے والے تھے اور ہر دم ایک ہی تڑپ تھی کہ کسی طرح اپنے رب کی حمد وثنا زیادہ سے زیادہ کی جائے۔ خود آپؐ نے اپنی ساری جمع پونجی میدان بدر میں پیش کر دی اور پھر رات بھر اپنے رب سے مناجات ودعائیں کرتے رہے۔ غزوۂ خندق میں جب اہل ایمان کی پوری جماعت بری طرح ہلا ڈالی گئی، دل حلق میں آن اٹکے، صحابہ کرامؓ نے آپ سے کوئی دعا اور ذکر بتانے کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا: آپ کہیں اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا اے اللہ! ہماری کمزوریوں کا پردہ رکھ لے اور خوف کو امن میں بدل دے''۔ صحابہ کرامؓ نے انہی الفاظ میں درخواست پیش کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرماتے ہوئے پانسہ پلٹ دیا۔

تعلق باللہ کے اس راستے کا سید مودودیؒ 'عملی طریقہ' بتاتے ہیں: ''اور وہ عملی طریقہ ہے احکام الٰہی کی مخلصانہ اطاعت اور ہر اُس کام میں جان لڑا کر دوڑ دھوپ کرنا جس کے متعلق آدمی کو معلوم ہو جائے کہ اس میں اللہ کی رضا ہے۔ احکام الٰہی کی مخلصانہ اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ جن کاموں کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو بادل نخواستہ نہیں، بلکہ اپنے دل کی رغبت اور شوق کے ساتھ، خفیہ اور علانیہ انجام دیں اور اس میں کسی دنیوی غرض کو نہیں، بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کو ملحوظ خاطر رکھیں اور جن کاموں سے اللہ نے روکا ہے ان سے قلبی نفرت وکراہت کے ساتھ خفیہ وعلانیہ پرہیز کریں اور اس پرہیز کا محرک کوئی دنیوی نقصان کا خوف نہیں بلکہ اللہ کے غضب کا خوف ہو۔

سید مودودیؒ تعلق باللہ میں اضافے کی اہمیت وضرورت کو واضح کرتے ہوئے اور اس کے لیے مختلف وسائل بیان کرتے ہوئے، نماز کی اہمیت بیان کرنے کے بعد ذکر الٰہی پر توجہ دینے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے: ''ذکر الٰہی جو زندگی کے تمام احوال میں جاری رہنا چاہیے۔ اس کے وہ طریقے صحیح نہیں جو بعد کے ادوار میں صوفیا کے مختلف گروہوں نے خود ایجاد کیے یا دوسروں سے لیے، بلکہ بہترین اور صحیح ترین طریقہ وہ ہے جو نبیؐ نے اختیار فرمایا اور صحابہ کرامؓ کو سکھایا۔ آپ حضورؐ کے تعلیم کردہ اذکار اور دعاؤں میں سے جس قدر بھی یاد کرسکیں یاد کرلیں۔ مگر الفاظ کے ساتھ ان کے معانی بھی ذہن نشین کیجیے اور معانی کے استحضار کے ساتھ ان کو وقتاً فوقتاً پڑھتے رہا کیجیے۔ یہ اللہ کی یاد تازہ رکھنے اور اللہ کی طرف دل کی توجہ کو مرکوز رکھنے کا ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے''۔

الاخوان المسلمون کے بانی امام حسن البناؒ اسی لیے اپنے تمام ساتھیوں کے لیے قرآنی اور مسنون دعاؤں کا وہ خزانہ جمع کر گئے جن سے آج بھی ان کا ہر تحریکی ساتھی روزانہ استفادہ کرتا ہے۔ کیا ہم سب بھی اس کا باقاعدہ اہتمام کرسکتے ہیں؟ آئیے آغاز میں بیان کیے گئے تین واقعات ہی سے ابتدا کر لیتے ہیں۔ ذرا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بات بھی دوبارہ تازہ کرلیں کہ ''میں نے جب سے رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے، اس کے بعد سے نماز میں یہ کلمات کہنا نہیں چھوڑے''۔

(از ترجمان القرآن، اکتوبر ۲۰۱۹ء)

قارئین سے گذارش

کسی بھی مضمون یا شمارہ کے بارے میں اپنی رائے سے ہمیں ضرور نوازیں۔ pdf یا مراسلہ ومضامین کی تصویر لے کر واٹس اپ یا ای-میل کریں۔

وہاٹس اپ نمبر/ای میل کا پتہ :8266997613/ nukusherah@gmail.com

جماعت اور نظم جماعت سے انحراف

مصطفیٰ مشہورؒ

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ دعوتِ اسلامی کے ان بلند ترین مقاصد، کو جن کا بروئے کار لانا ضروری ہے اور جنہیں اسلام نے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے، انفرادی کوششوں کے ذریعے بروئے کار نہیں لایا جاسکتا۔ اس لیے ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو اُن انفرادی کوششوں کو منظم کرے، ان کے لیے خطوطِ کار متعین کرے اور ان کی تکمیل کے لیے ذرائع و وسائل فراہم کرے۔ یہ بات معلوم ہے کہ ''جس چیز کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہو وہ چیز خود واجب ہو جاتی ہے۔'' اس بنا پر جماعت کی تشکیل اور اس میں شمولیت واجب ہے۔ اس بات کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی مسلمان اسلام کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو انفرادی طور پر ادا کرسکتا ہے۔ اسی طرح قیادت کے بغیر جماعت کا تصور ناممکن ہے۔ اگر افرادِ جماعت پر قیادت کے لیے سمع و طاعت واجب نہ ہو تو قیادت بے معنی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جماعت کے اندر افراد کو منظم کرنے کے لیے کچھ عہد و پیمان اور نظم کا ہونا بھی ضروری ہے جن کو وہ پورا کریں اور ان کی دل و جان سے پابندی کریں۔ انہیں سارے اُمور کے پیشِ نظر حسن البنا شہیدؒ نے جماعت کے لیے شعور، مقاصد، لائحہ عمل، نظم، میدانِ کار، وسائل اور اس کی ممبری کے لیے شرائط مقرر کیں اور ایسے تمام طریقوں کی نشان دہی کی جو کسی صورت میں جماعت کی بقا و ترقی اور کتاب و سنت کی پابندی کے ساتھ اس کے دائرہ کار میں وسعت پیدا کرنے میں معاون ہو سکتے ہیں۔

جماعت، جس کے زیرِ سایہ ہم دعوتِ اسلامی کی راہ پر چلتے ہیں، اس سے متعلق انتہائی مختصر طور پر ہم نے بنیادی باتیں رکھ دی ہیں اور اس سے انحراف کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ اجتماعی عمل کو کم حیثیت یا بے حیثیت سمجھنا اور انفرادی عمل کو کافی سمجھنا بھی انحراف کی ایک صورت ہے۔ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ اب دعوتِ اسلامی کے میدان سے بھی اس طرح کی آوازیں سننے میں آرہی ہیں۔ نہ معلوم اس کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں؟ اس سے اندر اور باہر کے اُن دشمنانِ خدا کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے جو اسلام کے لیے کام کرنے والوں کے اتحاد و اجتماع سے خائف ہیں؟ یا اس کا محرک عافیت کوشی ہے؟ اس لیے کہ ظالم حکومتیں اسلامی جماعتوں کو اپنی ایذا رسانیوں کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور ان سے برسرِ جنگ ہیں۔ ہم سنتے ہیں کہ ہر علاقے کے ڈاکوؤں میں اتحاد و اتفاق ہوتا ہے اور وہ اپنے زیرِ اثر علاقوں کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ آپس میں اختلاف کی صورت میں اُس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو لوگ زندگی میں ایک عظیم ترین مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوں، ان کے لیے کسی منظّم جماعت کا ہونا کس طرح غیر مناسب ہو سکتا ہے؟ اسلام مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی دعوت دیتا ہے اور افتراق و انتشار سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ آپس میں مجتمع ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنا زیادہ بہتر ہے یا منتشر رہ کر؟

۲۔ جماعتوں اور قیادتوں کی کثرتِ تعداد بھی انحراف ہی کی ایک شکل ہے۔ اس لیے کہ اس کے سبب اسلام کے لیے کام کرنے والوں کی کوششیں منقسم اور منتشر ہو جاتی ہیں اور ہمارا نوجوان طبقہ جب اسلام کا کام کرنے کے لیے کسی جماعت کا انتخاب کرنا چاہتا ہے تو حیران و پریشان

ہوتا ہے کہ کس جماعت کے ساتھ مل کر کام کرے۔ چوں کہ اُس کا اسلام کے لیے کام کرنا اس کی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے اور جماعت کے انتخاب میں غلطی کرنے کی صورت میں برے نتائج کا اندیشہ ہے اس لیے ہم نوجوانوں سے کہتے ہیں کی جماعت کے انتخاب میں چند بنیادی صفات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلی صفت یہ ہے کہ اس کے پیشِ نظر عالمی اسلامی حکومت کا قیام ہو۔ اس کی سرگرمیاں اسلام کے بعض پہلوؤں تک ہی محدود نہ ہوں اور وہ اسلام کے صحیح، مکمل اور پاکیزہ تصور کی حامل ہو۔ اس جماعت کی ایک لازمی صفت یہ بھی ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام کی دعوت کی تحریک میں وہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی پابند ہو۔ یعنی وہ اپنے افراد کے اندر عقیدہ و ایمان کی قوت کو مضبوط کرے اور ان کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرے۔ پھر دست و بازو کی قوت پر توجہ دے اور وہ اپنے کام کے دوران پوری اسلامی دنیا کو پیش نظر رکھے تاکہ عالمی اسلامی حکومت کی تیاری کر سکے۔ نوجوانوں کو ایسی جماعت کا انتخاب کرنا چاہئے جس کے پاس ماضی کے تجربات ہوں اور کارکردگی کا ریکارڈ بھی اچھا ہو۔ جس کا مقصد نہ زوردار نعرے ہوں اور نہ وہ شخصیات سے وابستگی پر زور دیتی ہو۔

۳۔ جماعت اور نظمِ جماعت سے انحراف کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ جماعت کے اندر رہتے ہوئے کچھ مخصوص شخصیات اور مخصوص افکار و آراء کے گرد مرکزیت یا لابی قائم کرنے کی کوشش کی جائے یا ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے معلوم ہو کہ جماعت کی عمومی تنظیم کے اندر ایک آزاد تنظیم پیدا ہو گئی ہے یا یہ کہ کسی متعین رائے کو قبول کرنے کے لیے جماعت کی قیادت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی جائے اور بصورتِ دیگر جماعت سے علیحدگی اور ٹکراؤ کی دھمکی دی جائے یا کوئی یہ سمجھے کہ وہ نظم جماعت کی پابندی اور قیادت کی اطاعت سے بالاتر ہے گویا کہ اس کی حیثیت قیادت پر فوقیت رکھتی ہے۔ یہ اور اسی طرح کی تمام صورتیں جماعت اور نظم جماعت سے انحراف تصور کی جائیں گی اور اسی طرح کے انحراف سے جماعت کو بچانے کے لیے نظامِ جماعت اور لائحہ عمل وضع کیے جاتے ہیں۔ اور قیادت کی ذمہ داری ہے کہ اس طرح کے انحراف کے معاملات میں فیصلہ کن موقف اختیار کرے اور نظم جماعت اور لائحہ عمل سے متعلق کسی خلاف ورزی کا فوری نوٹس لے اور اس سلسلے میں کسی طرح کی تاخیر اور خوشامد سے کام نہ لے۔ اس لیے کہ جماعت اپنے فرد کی حفاظت کرتی ہے اور کسی کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی نہیں کرتی۔ لیکن اگر کوئی فرد صف کے اندر بے چینی پھیلانے اور شگاف ڈالنے پر مُصر ہے تو اس وقت جماعت کے مفاد کو افراد پر فوقیت حاصل ہوگی، چاہے وہ افراد کسی حیثیت اور کسی مرتبہ اور مقام کے ہوں۔

۴۔ نظمِ جماعت سے انحراف کی ایک صورت یہ بھی کہ بعض افراد جماعت اور قیادت سے زیادہ کچھ شخصیتوں سے وابستہ ہو جائیں۔ یہ ایسا انحراف ہے جو دوسرے تمام انحرافوں کے لیے معاون ثابت ہے اور اس کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ ایسے افراد جس شخصیت سے متعلق ہوتے ہیں، اس طرح تحلیل ہو جاتے ہیں کہ جماعت کے اندر ان کی اپنی کوئی فعال اور مستقل شخصیت نہیں ہوتی۔

۵۔ جماعت سے انحراف کی شکلوں میں سے ایک شکل یہ بھی ہے کہ جماعت کی صف میں اختلاف و انتشار کو ہوا دی جائے۔ اس طرح شیطان کو کارکنوں کے اندر آپس میں بغض و عداوت اور دوری پیدا کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور جماعت کی کوششوں اور اوقات کا بڑا حصہ اختلافات اور ان کے اسباب و نتائج کے ازالہ میں صَرف ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں جماعت کی پیش قدمی معطل ہو جاتی ہے اور بسا اوقات جماعت نعوذ باللہ ناکامی سے دوچار ہو جاتی ہے۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (انفال:۴۶)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اسی طرح اللہ و رسول کی اطاعت میں استقامت، اتحاد و اتفاق اور اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے اور شیطان کی اطاعت میں آپس کی کھینچا تانی اور ناکامی ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ جماعت کی پوری توجہ افراد کو مجتمع رکھنے اور ان کے دلوں کو آپس میں جوڑنے پر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسن البناؒ نے اخوت کو بیعت کے ارکان میں سے ایک لازمی رکن قرار دیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ

''اخوت کا کم سے کم درجہ دل کی صفائی اور بلند ترین درجہ ایثار ہے۔'' اس طرح انہوں نے اخوت کو ایمان کی بہن اور تفرقہ کو کفر کا بھائی قرار دیا ہے۔ اس لیے ہر کارکن کو جماعتی صف کو متحد رکھنے کے سلسلہ میں بہت چوکنا رہنا چاہیے اور ایسی ہر بات اور ایسے ہر عمل سے بچنا چاہئے جس کے نتیجے میں اختلاف وانتشار پیدا ہو۔ اسی طرح غیبت، چغلی، بدگمانی اور قیل وقال سے بھی دور رہنا چاہیے اور ذمہ دارانِ جماعت جماعتی صفوں کو اختلاف کے اسباب سے بچانے کے لیے چوکنا رہیں اور جب کوئی ایسی چیز جماعتی صف کے اندر ظاہر ہو جو اختلاف کا موجب ہوسکتی ہو تو اس کا فوراً قلع قمع کرنا چاہیے، اس لیے کہ جماعت کے لیے یہی بہتر ہے۔

۶۔ شخصی خواہش مثلاً لیڈری کی خواہش یا خودرائی و انانیت کے سبب جماعت سے بغاوت کرنا اور جماعت پر پھٹ پڑنا اور اس کے ساتھ باندھے ہوئے عہد و پیماں سے آزاد ہوجانا بھی نظمِ جماعت سے انحراف کی ایک صورت ہے۔ حالاں کہ اگر نقطہ ہائے نظر میں کوئی اختلاف پیدا ہوجائے تو اس صورت میں بھی نظمِ جماعت اور لائحہ عمل کی پابندی ضروری ہے اور اس طرح اختلافات کو ختم کرنا آسان ہے اس لیے کہ نسبتاً کم درست رائے پر ہمارا اجماعت سے وابستہ رہنا بہتر ہے، اس کے مقابلے میں کہ ہم اپنی زیادہ درست رائے کی بنیاد پر منتشر ہوجائیں۔ اتحاد و یگانگت کی صورت میں ممکن ہے کہ ہم اختلاف کے بعد درست سے زیادہ درست رائے کی طرف منتقل ہوجائیں۔

درحقیقت جماعت سے علیحدہ ہونے اور اس سے کٹ جانے کی صورت میں خسارہ ہمیشہ علیحدہ ہونے والے کا ہوتا ہے اور فائدہ جماعت کا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اس طرح کے لوگوں سے پاک ہوجاتی ہے جو جماعتی اتحاد کے خواہش مند نہیں ہوتے۔ یہ بات ہم کو اپنے دل میں اچھی طرح جاگزیں کرلینی چاہیے کہ جماعت اللہ کی مدد سے ہمارے ذریعے اور ہمارے بغیر بھی چلتی رہے گی۔ اس لیے اگر ہم جماعت کی وحدت پر رحم نہ کریں نہ سہی لیکن اپنے اوپر رحم کریں۔ ہم میں کون ہوگا جو جماعت کی برکت اور اس کے خیر سے اپنے آپ کو محروم کرے گا۔ اس لیے حسن البناؒ کہا کرتے تھے: ''اگر تم نے دعوت اسلامی کا ساتھ نہیں دیا تو تم کسی دوسری دعوت کا ساتھ ہرگز نہ دے پاؤ گے۔ دعوتِ اسلامی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اگر تمہارے ساتھ نہیں ہوگی تو دوسروں کے ساتھ ہوگی۔ اگر تم نے روگردانی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ تمہارے علاوہ دوسری قوم کو لائے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔''

۷۔ دعوتِ اسلامی کے راستے پر چلتے ہوئے ارکان بیعت یا اس کے بعض حصوں کو پورا نہ کرنا بھی جماعتی بنیاد سے انحراف ہے۔ امام حسن البنا نے جب ارکان بیعت کی تحدید کی تو ان کی تعداد دس رکھی، آٹھ یا نو پر بس نہیں کیا اور انہیں پورا اطمینان تھا کہ یہ سب کے سب اپنی جگہ اہم ہیں۔ وہ جماعت کے اندر جگہ لینے والے اور جماعتی ذمہ داری اٹھانے والے ہر کارکن کے اندر ان کی موجودگی کو ضروری خیال کرتے تھے اور کسی فرد کے اندر ان ارکان میں سے کسی ایک رکن کی کمی کو ایسا نقص تصور کرتے تھے جو کسی بھی وقت فرد اور جماعت دونوں کے لیے ضرر رساں ہوسکتا ہے۔

اس لیے ہمیں ان تمام ارکانِ بیعت کی پابندی اور ان کے ساتھ وفاداری کے سلسلے میں حریص ہونا چاہئے کیوں کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ عدم توجہی اور بے وفائی فرد اور جماعت دونوں کو خطرات سے دوچار کرسکتی ہے۔ جماعت کسی کو نظم کی پابندی پر مجبور نہیں کرتی لیکن جو شخص برضا و رغبت جماعت میں داخل ہوا ہے، اس کا خود یہ فرض بنتا ہے کہ وہ جماعت کی شرائط اور اس سے کیے ہوئے عہد و پیمان کا اپنے آپ کو پابند کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (سورۃ الفتح:۱۰)

اے نبی ﷺ! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اُس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے عہد شکنی کا وبال اُس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا اور جو اُس عہد کو وفا کرے گا جو اُس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔''

جماعت کے ساتھ بیعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت ہے اس لیے اس کے کسی رکن کے سلسلے میں افراط وتفریط سے کام نہیں لینا چاہئے۔

۸۔ نظمِ جماعت سے انحراف کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ کوئی اپنی جماعت کی بڑائی دوسری اسلامی جماعتوں پر جتائے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ میری جماعت ہی مسلمانوں کی جماعت ہے بلکہ یہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہے جو تمام مسلمانوں کو اسلام اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کام کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ ہم کسی اسلامی جماعت کی دشمنی نہیں مول لینا چاہتے ہیں اور نہ ہم دوسری جماعتوں اور افراد کے ساتھ کسی طرح کے ٹکراؤ کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں، نہ اس طرح کی کوششوں میں کسی کے ساتھ تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ اخوان المسلمون اول روز سے اس بات کی پابند رہی ہے کہ اشخاص اور تنظیموں کی تضحیک سے پرہیز کرے۔ اس نے ہمیشہ اسلامی آداب کی پابندی کی ہے۔ ہم اُن مسلمانوں سے بھی محبت کرتے ہیں جن کے دل ہمارے لیے بغض وعناد سے لبریز ہیں۔ اس مفہوم کی نہایت عمدہ وضاحت حسن البناؒ کے اُس قول سے ہوتی ہے جو انہوں نے چھٹی کانفرنس کے موقع پر فرمایا تھا: ''تمام اسلامی جماعتوں کے سلسلے میں ہمارا موقف ان کے رجحانات سے اختلاف کے باوجود ان کے ساتھ محبت وبھائی چارہ اور تعاون ودوستی کا ہے۔ ہم ساری اسلامی جماعتوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ ہم مختلف دینی جماعتوں کے نقطہ ہائے نظر میں قربت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے افکار ونظریات میں ایسی ہم آہنگی لانا چاہتے ہیں جس کے ذریعہ سے محبت اور تعاون کی فضا میں حق کو غلبہ نصیب ہو اور کوئی فقہی رائے یا مسلکی اختلاف ہمارے اور ان کے درمیان دوری کا سبب نہ بنے۔ اللہ کا دین آسان ہے، جو شخص اس کے ساتھ تشدد کا رویہ اختیار کرے گا اس پر یہ غالب ہو جائے گا۔ اللہ کی توفیق سے ہم نے ایک مثالی راستہ اختیار کیا ہے۔ ہم حق کی جستجو میں ایسے اسلوب اختیار کرتے ہیں جو دل کو لگتے اور عقل کو اپیل کرتے ہوں اور ہمیں یقینِ کامل ہے کہ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب یہ اسماء والقاب، ظاہری فرق اور نظریاتی رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور ان سب کی جگہ ایک ایسی وحدت لے لے گی جو کاروانِ محمدی ﷺ کو اس طرح مجتمع کرے گی کہ سارے مسلمان بھائی بھائی ہو کر دین کے لیے کام کرنے والے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والے ہوں گے۔''

بقیہ:

دورِ حاضر کی مشکلات کا حل: اسوۂ نبویؐ

مقرر کردہ ابدی اسلامی اقدار ہیں۔ اس طرح باطل کے مقابلے میں حق گوئی، آزمائش کے مقابلے میں عزیمت، منکرات سے اجتناب لیکن خیر واصلاح میں مسابقت، نیکی کا حکم اور بدی کی مخالفت، باہمی اکرامِ مسلم اور خیر خواہی، انفاق فی سبیل اللہ اور سود وبخل سے اجتناب، باہمی محبت ورحمت کا برتاؤ اور طاغوت کے مقابلے میں شدت وجرأت، یہ سب وہ ابدی، اخلاقی اور اعتقادی اقدار ہیں جن کو برپا کرنے سے انسانی مصائب کم ہوتے ہیں اور جن کا اہتمام کرنے سے ہی انسان خیر امت اور رہنمائے ملت بن سکتے ہیں۔ دورِ جدید کے انسان کے مصائب ان تعلیمات پر عمل درآمد سے ہی ختم ہو سکتے ہیں۔ یہ کام مسلمانوں کا تھا کہ وہ ان اقدار پر عمل پیرا ہو کر دنیا کے لیے رہ نمائی مثالی سامان پیدا کرتے لیکن انہوں نے ان تعلیمات کو ترک کر کے دنیا کی قیادت کا مقام کھو دیا ہے اور پستی اور ذلت کا مقام حاصل کر لیا ہے جو دنیا کے لیے بھی ایک المیہ ہے اور خود مسلمانوں اور اسلام کے لئے بھی المیہ۔ **دنیا کی دوسری قومیں تومادی سروسامان کی افراط کے بل پر ترقی کر سکتی ھے ھیں لیکن مسلمان جن اصولوں کے سبب سے مسلمان کھلاتے ھیں جب تک وہ ان اصولوں میں از سر نو پختہ نہ ھوں انھیں از سر نو دنیا کی قیادت کے مقام پر کھڑا کرنے کی دوسری کوئی صورت نہیں ھے۔ ان کی حقیقی قوت انھیں اقدار کے تحفظ میں پوشیدہ ھے اور انھیں اقدار کے نفاذ سے دنیا کے مصائب دور ھوسکتے ھیں اور اس کے مسائل حل ھوسکتے ھیں۔**

دورِ حاضر کی مشکلات کا حل: اسوۂ نبویؐ

سید اسعد گیلانی

دورِ حاضر کی تمام مشکلات کا اور مصائب کا حل رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات میں موجود اور اسوۂ نبوی کی پیروی میں پوشیدہ ہے۔ یہ حقیقت کہ آپ ﷺ دنیا میں اللہ کے آخری پیغمبر ہیں اور خاتم النبیین، ہیں اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نے دنیا کی ہدایت کے لئے قریہ قریہ بستی بستی اپنے رسول بھیجے جس نے رسولوں کے ایک ان گنت سلسلے کے ذریعے اپنے انسانی مخلوق کی رہ نمائی کے انتظامات فرمائے اور قیامت تک انسانوں تک ہدایت ربانی اور صراط مستقیم پہنچانے کا ذمہ لیا، وہی ہستی اگر رسول اکرم ﷺ کو اپنا آخری پیغمبر قرار دیتی ہے تو ظاہر ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے جدید سے جدید مسائل ومصائب کا حل بھی اس آخری نبیؐ کی تعلیمات میں ہونا اشد ضروری ہے۔ اگر آخری نبیؐ کی تعلیمات انسانیت کی تاقیامت رہ نمائی سے قاصر ہوتیں تو لازماً ختم نبوت کا مفہوم بدل جاتا۔ نبوت ورسالت کا سلسلہ تو ہے ہی انسانوں کی رہ نمائی کے لئے اور اگر یہ سلسلہ کہیں ختم ہوتا ہے تو گویا رہ نمائی اور ہدایت کامل اور مکمل ہوگئی ہے اور انسانیت کی مزید ہدایت کے لیے کسی دوسرے نسخۂ ہدایت کی ضرورت نہیں۔

دورِ حاضر کے انسان کی مشکلات اس کے ایجاد کردہ ساز وسامان میں پوشیدہ نہیں ہیں ان افکار ونظریات میں پوشیدہ ہیں جن کی لپیٹ میں ان کے معاشرے ہر ملک اور قوم میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ نظریات ہی درحقیقت ان قوموں کے اصل مصائب ہیں۔

ان کی بہت بڑی مصیبت سیکولرازم اور الحاد ہے جس نے انہیں اطمینان قلبی سے محروم کرکے خودغرضی اور مفاد پرستی کے خوف ناک چکر میں پھنسا دیا ہے۔ ان کی ایک اور مصیبت انسان کی انسان پر حکم رانی ہے جو حد درجہ خودغرضانہ اور جابرانہ ہے۔ ان کے مصیبت بے مہار خودمختاری ہے جو انہیں باہمی تصادم سے دوچار کرتی ہے۔ ان کی مصیبت ارتکازِ دولت ہے جو طبقات پیدا کرتی ہے اور ان کے درمیان عناد اور تصادم کو بڑھاوا دیتی ہے۔ ان کی مصیبت بدکردار حکم رانوں کی شراب ہے جو انہیں بدمست رکھتی ہے۔ ان کی مصیبت ان کا مقصد زندگی سے ناآشنا ہونا ہے۔ ان کی مصیبت معیار اخلاق اور ضابطہ اخلاق سے بے خبری ہے۔

حضور ﷺ نے انسانیت کو وہ پائیدار علمی وفکری اقدار دی ہیں جن کی مدد سے انسان اپنے مصائب سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ وہ تمام اقدار قرآن وسنت کی تعلیمات پر مشتمل ہیں اور انہیں کی پیروی میں انسانیت کی مشکلات کا حل پوشیدہ ہے۔ ہم انہیں اقدار کو رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کا نچوڑ اور انسانیت کی مشکلات کا حل سمجھتے ہیں۔

وحدت کائنات:

ان اقدار میں سب سے پہلی قدر 'وحدت کائنات' ہے جو قرآن وسنت کے مطالعہ اور آفاق کے مشاہدات سے ہمارے سامنے ابھر کر آتی ہے۔ یہ سب کچھ جو ہمارے چاروں طرف پھیلا ہوا، چھایا ہوا اور بکھرا ہوا ہے۔ اس سب کے اندر وحدت تخلیق ہے۔ اس میں ایک فکر ہے، منصوبہ ہے، ہم آہنگی ہے، باہمی تعاون اور توافق ہے۔ حسن ترتیب اور حسن تخلیق ہے۔ اس میں فکری انتشار نہیں۔ اس میں ایک سے زائد کام کرنے والا ذہن موجود نہیں ہے۔ اس ساری کائنات کا ایک رخ ہے، ایک قانون ہے، ایک تاثر ہے۔ یہ کسی بڑے عظیم

منصوبہ ساز خالق کی بنائی ہوئی ہے اور مشین کی طرح اس کا جوڑ جوڑ آپس میں پیوست ہے۔ کائنات کی یہی ہم آہنگی اور اس کے عناصر کی باہمی موافقت اس امر پر گواہی دیتی ہے کہ یہ بہت سے خالقوں کی تخلیق کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک ہی خالق جس نے پہاڑ سے کنکر تک، صحرا سے ذرے تک، سمندر سے قطرے تک اور حقیر ترین خلیے سے عظیم الجثہ جانوروں تک کو تخلیق کیا ہے اور ایک ہی نوعیت کی مشینری کو مختلف رنگ وروپ دے کر وحدت فن تخلیق میں کثرت مخلوق کا نظارہ دکھایا ہے۔ قرآن سنت کی تعلیمات اس وحدت فن تخلیق میں کثرت مخلوق کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات اس وحدت تصور کائنات پر یکساں گواہ ہیں اور یہ حقیقت ایک ابدی قدر کی حیثیت رکھتی ہے جو قیامت تک کے لئے وحدت خالق کے حق میں گواہی دیتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے سے انسانیت کی فکری گتھی سلجھ جاتی ہے۔

وحدتِ الٰہ:

رسول اکرم ﷺ کی تعلیم کردہ دوسری ابدی قدر اور برحق ہدایت وحدت الٰہ، یا دوسرے الفاظ میں توحید باری تعالیٰ ہے۔ اسلام کے تصور زندگی میں اللہ کی توحید پر ایمان سب سے بڑی مضبوط بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جتنے دیگر اسلامی اعتقادات اور اقدار ہیں وہ سب اسی ایک سرچشمے کے وجود سے اپنا وجود حاصل کرتے ہیں۔ اسلام کے تمام احکام، اس کے عقائد، اس کے قوانین، اس کے مابعد الطبیعاتی افکار سب اس ایک حقیقت کی مختلف شاخیں ہیں۔ خدا کے رسولوں پر اس لیے ایمان ہے کہ وہ خدا کے رسولؑ ہیں۔ ملائکہ پر اس لیے ایمان ہے کہ وہ خدا کے ملائکہ ہیں۔ کتابوں پر اس لیے ایمان کہ وہ خدا کے ارسال کردہ ہدایت نامے ہیں۔ جنت و دوزخ پر اس لیے ایمان کہ وہ خدا کی رضا وغضب کا مظہر ہیں۔ یوم آخرت پر اس لیے ایمان کہ وہ خدا کے آخری انصاف کا دن ہے۔ فرائض اس لیے فرائض بن گئے ہیں کہ ان کو خدا نے حقوق کی حیثیت سے حکم دیا ہے۔ غرض اسلام میں ہر چیز، ہر عقیدہ، ہر عمل صرف خدا پر ایمان کے ساتھ قائم اور ثابت ہے۔ اگر خدا پر ایمان نہ ہو تو پھر نہ دوزخ نہ جنت، نہ حساب نہ کتاب اور نہ یوم آخرت، نہ فرائض ہیں نہ حقوق، نہ رشتے کا لحاظ ہے اور نہ قوانین وضوابط کا اعتبار۔ اس ایک مرکز کے ہٹتے ہی اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے بلکہ اسلام کے نام سے کوئی چیز اور رسول اکرمؐ کی تعلیمات کے نام سے کوئی شئے باقی نہیں رہتی۔ غرض اسلام کا سب سے پہلا سبق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حی القیوم ہے، وہ موجود ہے، وہ قادر مطلق ہے، وہ ایک ہے اور وہ لاشریک ہے۔ تمام مسائل اور مصائب کی کشود (حل) کے رشتے اس کے ہاتھ میں ہیں۔

بس خدا کے تصور توحید کے وجود میں آتے ہی ساری کائنات میں معنی ومفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر اخلاقی قدر میں قوت وتوانائی آجاتی ہے۔ ہر فرض میں احساس ذمہ داری ابھر آتا ہے اور ہر حق میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کائنات اور اس کی ہر شئے بامعنی اور حسین وجمیل بن جاتی ہے اور انسان کا ذہن ایک رخ اختیار کر لیتا ہے۔

وحدتِ انسانیت:

فکری راستی کی تیسری عظیم قدر ہمیں قرآن وسنت سے 'وحدت انسانیت' ملتی ہے۔ انسان کی موجودہ دنیوی تقسیم محض پہچان اور شناخت کے لئے ہے۔ قوم پرستی اور تفریق انسانیت لایعنی چیز ہے۔ درحقیقت انسان ایک ہی جوڑے کی نسل سے چلا ہے۔ یہ ایک عالمی خاندان ہے جو آدم کی اولاد سے بڑھ کر پوری زمین پر پھیل گیا ہے۔ خدا نے زمین انسان کی عارضی قیام گاہ کے لئے اسے عطا کی ہے۔ یہ اس باپ آدمؑ کی وراثت ہے۔ وہ پوری زمین کا باشندہ ہے۔ ملکوں کی تقسیم عارضی اور انتظامی ہے۔ تمام انسان بھائی بھائی ہیں، شکل وصورت کا تفاوت، رنگ وروغن کا امتیاز، زبان ولباس کا فرق، یہ سب جغرافیائی اور تاریخی عوامل کا نتیجہ ہیں۔ ان سب امتیازات کے اندر وہی انسان پوشیدہ اور موجود ہے جسے آدم کی ذریت کی حیثیت سے زمین کی آبادکاری کا فریضہ سونپا گیا تھا۔ اور اس نے یہ فریضہ سرانجام دیا ہے۔ ان میں نسل، زبان یا علاقے کا امتیاز کوئی فضیلت پیدا نہیں کرتا۔ فضلیت کا معیار رسول اکرمؐ کی معرفت قرآن نے دوسرا ہی پیش کیا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ

''تم میں فضیلت والا درحقیقت وہی ہے جو خدا سے ڈرنے والا ہے۔''

گویا جس نے اپنی روش زندگی خدا سے ڈر کر اپنا

دین وسیاست، معیشت ومعاشرت، انفرادیت واجتماعیت ہر پہلو سے جس نے خدا کے ڈر کو زاد راہ بنا کر زندگی کا سفر طے کیا بس وہی صاحب فضیلت ہے۔ اس کے سوا انسان سب برابر ہیں۔ انسانی حقوق میں مساوی، ترقی کے

مواقع میں مساوی، رشتہ وناطہ میں مساوی، معاشرت ومعیشت میں مساوی، وہ سب ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، بس کثرت تعداد کے اندران کی وحدت انسانیت گم ہوگئی ہے۔ اگراس کے انسانی خدوخال کو خدائی بندگی کے آئینے میں دیکھا جائے تو سب بندے، سب ملازم اور سب ایک ہی والدین کی اولاد ہیں۔ یہی وحدت انسانیت کی وہ مستقل قدر ہے جو قرآن وسنت نے پیش کی ہے۔اس میں قوم پرستانہ عصبیتوں کا علاج ہے۔

نیابتِ خداوندی:

قرآن وسنت کی ایک مستقل قدر جو رسول اکرم ﷺ سے ذریعہ ہمیں ملی ہے، یہ بھی ہے کہ انسان زمین پر خدا کا نائب ہے اور وہ حد درجہ محترم مخلوق ہے۔وہ زمین پر بے شمار جانداروں میں محض ایک جاندار نہیں ہے جو کسی بھی خلیے سے ترقی کرکے پہلے بندر اور پر دوٹانگوں پر کھڑا ہونے والا حیوان بن گیا ہو بلکہ وہ اشرف المخلوقات، نوع انسانی کا نمائندہ اور زمین پر خدا کا نائب ہے۔

اسلام نے انسان کے بارے میں یہی تصور دیا ہے جو قرآن میں اس طرح بیان ہوا ہے:

''جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ زمین میں اپنا ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں تو انہوں نے عرض کیا کہ کیا تو زمین میں اس کو نائب بناتا ہے جو وہاں فساد پھیلائے گا اور خوں ریزیاں کرے گا حالاں کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''(البقرہ)

یہاں قرآن خود انسان کو نائب قرار دیتا ہے۔ظاہر ہے کہ نائب اور امین خود مختار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے مقرر کرنے والا آقا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ اس کو پائی پائی کا حساب دینا ہوتا ہے اور اس کا آقا اس سے ہر ہر کام اور ہر ہر حرکت کے بارے میں پوچھ سکتا ہے اور اس کی امانت، مال، قوت رعیت ہر چیز میں اس کے تصرف کے بارے میں سوال کرسکتا ہے۔

نائب کا اولین فرض ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ جس کا نائب ہے، اس کی فرماں روائی ،اس کی حکومت اور اس کے اقتدار کو تسلیم کرے اور اسی کی ہدایات کے اندر رہ کر اپنے سارے کام اور سارے فرائض سرانجام دے۔اس طرح انسان خدا کی پیدائشی رعیت ہے۔اگرچہ نائب خدا کی حیثیت سے وہ دنیا کی تمام چیزوں سے افضل ہے، اعلیٰ ہے اور دنیا کی تمام چیزیں اس کے ماتحت اور اس کے لئے مسخر ہیں، کائنات کا سامان زیست سے بھرا ہوا یہ گھر اس لیے ہے کہ انسان ان اشیاء کو استعمال کرے اور اپنے آقا کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان سے خدمت لے۔ان اپنے ماتحتوں کے آگے جھکنا اس کے لئے ذلت ہے۔ اگر وہ جھکے گا تو اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔

خدائی نیابت کا یہ پہلو بھی ہے کہ وہ مخلوق خدا کے ساتھ برتاؤ کرنے میں وہی روش رکھے جو خود خدا کی روش ہے۔جس شان ربوبیت کے ساتھ خدا اپنی مخلوق کی خبرگیری اور پرورش کرتا ہے۔انسان بھی اپنے دائرۂ اختیار وعمل میں ان چیزوں کی خبرگیری اور پرورش کرے جو اللہ نے اس کے قبضۂ قدرت میں دی ہے، وہی شانِ رحمانی اور رحیمی وہ ان کے ساتھ رکھے جن پر اللہ نے حکومت دی ہے۔نیابت کا یہ پہلو بھی ہے کہ وہ خدا کی مرضی اور منشاء کے خلاف اپنی اور اپنے زیر اثر مخلوقات کی کوئی کارروائی گوارا نہ کرے اور اس کے احکام کا تابع وفرمان بن کر رہے۔اس ذمہ دارانہ پوزیشن کو اختیار کرنے سے انسان اپنی بہت سی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

تصورِ رسالت:

اسلامی تصور زندگی میں ایک مستقل قدر منصب رسالت ہے جسے قبول کرکے انسان ہدایت کا راستہ پالیتا اور حوادث وتصادم سے بچ جاتا ہے۔قرآن وسنت کی تعلیمات میں ایمان باللہ کے بعد ایمان بالرسالت کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ منصب رسالت کے بغیر دنیا میں انسانیت کا قافلہ اپنی منزل سے کبھی آگاہ نہیں ہوسکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بنانے اور انسان کو اس میں آباد کرنے کے بعد اگر اسے بے خبر اور آزاد چھوڑ دیا ہوتا کہ وہ اپنی سوچ بچار اور اپنی عقل وآگہی سے اس حقیقت کو تلاش کرے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو قادر مطلق اور علیم وخبیر ہے اور اس کی مخلوق کی حیثیت سے انسان کو اس کی اطاعت کرنی ہے تو انسان کے لئے خدا کے وجود کا شعور، خدا کے احکام کا حصول اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا اور انسان اس مادی دنیا کے حیرت انگیز مظاہر کے درمیان بھٹکتا پھرتا اور افکار وخیالات کے جنگل

میں صراط مستقیم کو متعین کرنا اس کے لئے دشوار تر ہو جاتا۔ مالک اور غلام کے درمیان اور خالق ومخلوق کے درمیان آگہی واطاعت کا راشتہ دکھانے کے لیے اگر کوئی نہ ہوتا تو انسان دنیا کو جہنم کا نمونہ بنا دیتا۔ اور پھر آخرت میں حساب وکتاب کی جوابدہی کی منزل سے گزرنا پڑتا تو یہ مقام اس کے لئے اور بھی تباہی کی منزل بن جاتا۔ مالک کائنات نے اپنے کمال درجہ فضل وکرم سے انسانوں کی رہ نمائی کے لئے رسالت کا سلسلہ قائم فرمایا اور رسولوں کے ذریعے اپنے بندوں کو اپنی مرضی اور احکام سے ہمیشہ آگاہ فرمایا۔

رسولوں کو اللہ کی طرف سے علم عطا ہوتا ہے۔ وہ قیاس وگمان کی بناء پر رہ نمائی نہیں کرتے بلکہ واضح علم کی بناء پر ہدایت دیتے ہیں۔ رسولوں کے بارے میں قرآن نے یہی فرمایا ہے:

وَكُلًّا اٰتَيْنَاهُ حُكْماً وَّعِلْماً

"ان میں سے ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم عطا فر مایا"

غرض جب انبیاء ورسول اللہ کی طرف سے علم حقیقت لے کر انسانوں تک پہنچانے پر مامور ہوتے ہیں تو پھر خدا، آخرت، موت حساب وکتاب اور زندگی کی شاہ راہ پر سفر کے آداب ان سب کا حقیقی اور واقعی علم صرف رسولوں کا ہی صحیح ہوسکتا ہے۔ دوسرے لوگ جو رسولوں کے علم سے ہٹ کر قیاس آرائیاں کریں اس کی حقیقت ظن وتخمین اور تیر تکّے سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور ظن وتخمین کا راستہ ہی مصائب کا راستہ ہوتا ہے۔

علم صحیح کے لیے ایمان بالرسالت ھی بنی نوع انسان کو نکتہ وحدت پر جمع کرسکتا ھے۔ رسول ھی انسانوں کو خدا کی توحید، کائنات کی توحید، کائنات کی وحدت تخلیق، انسان کی تخلیق کا مقصد اور مقام مسئولیت کا علم دیتے اور انھیں وحدت انسانیت کے وسیع ترپلیٹ فارم پر جمع کرتے ھیں۔ اسلام کے شعور سے ھٹ کر تو صرف جاھلیت اور جھالت ھی باقی رہ جاتی ھے اور جھالت وجاھلیت کی ھزار قسمیں اور شاخیں ھیں۔ انسان جھالت کے ایک گڑھے سے نکلتا ھے تو دوسرے میں گر جاتا ھے۔ ارتکاز دولت کے چکر سے نجات پانے کے لئے ارتکاز اختیار و اقتدار کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ کثرتِ الٰہ سے نجات پاتا ہے تو الحاد کی خوف ناک وادیِ تشکیک میں کھو جاتا ہے۔ پھر تو اس کی قسمت بدبختی کے دھکے اور اندھیرے کی ٹھوکریں ہی رہ جاتی ہیں، اس اندھیرے سے نکالنے والا واحد دست شفقت ایمان بالرسالت ہوتا ہے جس کے ایک ہاتھ میں وحی والہام کے علمِ حقیقی کی شمع اور دوسرے ہاتھ میں دکھی انسانیت کے زخموں کا مرہم ہوتا ہے۔ بھٹکے ہوئے کو ایمان بالرسالت راہ ہدایت بھی دکھاتا ہے اور مرہم مسیحائی بھی عطا کرتا ہے۔ جس سے انسان بھائی بھائی بن جاتے اور ایک خدا کے سامنے جھک کر دنیا بھر کے تنگ ظرف، تنگ دل، درشت خو اور سخت گیر آقاؤں سے نجات پا جاتے ہیں۔ ع

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اور نجات دنیوی واخروی کا یہ سجدہ ایمان بالرسالت کی معرفت ہی حاصل ہوتا ہے، اس لیے ایمان بالرسالت قرآن وسنت کی تعلیمات کا مرکز و محور اور اس کی عطا کردہ ابدی، اخلاقی اقدار میں سے ایک نہایت درجہ بنیادی قدر ہے جس کے تزلزل سے اسلام کی تعلیمات کی ساری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے۔ اس قدر کا واضح، بے آمیز، حتمی اور ابدی ہونا شرط ہے۔ اس میں ذرا سی ملاوٹ، تذبذب اور شک و شبہ تمام اقدار قرآن و سنت کو مجروح کرنے کے لئے کافی ہے۔

اسی لیے رسول کو تسلیم کر لینا ہی کافی نہیں ہے اس لیے کہ وہ ہادی ورہنمائے زندگی ہے، اس کی اطاعت بھی فرض ہے اور اس کی اطاعت درحقیقت اس کی اطاعت نہیں بلکہ اسے رسول بنانے اور پیغام دے کر بھیجنے والے خدا کی اطاعت ہے۔ فرمایا گیا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ

اور ہم نے جو رسول بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ بحکم خدا اس اطاعت کی جائے۔

تصورِ مسئولیت:

قرآن وسنت کی تعلیمات جن ازلی اور ابدی اقدار کی نشان دہی کرتی ہیں

جن کی تعلیم رسول اکرم ﷺ نے دی ہے ان میں نہایت اہم 'تصور مسئولیت' بھی ہے۔ یعنی انسان بے مہار، بے لگام، خواہشات کے رُخ پر اڑنے والا پرندہ اور منہ زور حیوان بنا کر پیدا نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ زمین پر خدا کا خلیفہ ہے۔ تمام مخلوقات میں اشرف، کائنات کی قوتیں اور چیزیں اس کے اعمال کی تکمیل کے لئے مسخر اور یہ نیک و بد کا شعور ضمیر کی رہ نمائی سے لے کر رسولوں کی تعلیمات تک کا حامل ہے، اس لیے وہ دنیا میں ایک ڈیوٹی پر مامور ہے۔ وہ ڈیوٹی یہ ہے کہ اسے اپنی زندگی اپنے پیدا کرنے والے کی ہدایات کے مطابق گذارنی ہے۔ گم راہ کرنے والے مظاہر دنیوی میں گزرتے ہوئے صراط مستقیم پر قائم رہنا ہے۔ دلفریب عیش و آرام کے سروسامان میں اپنے ایمان کو محفوظ رکھنا ہے۔ نظام باطل کے ظلم وستم کے اندر حق کی مشعل لے کر آگے بڑھنا اور اس راستے میں جو مشکل آئے اسے انبیاء کرام کے سچے پیرو کی طرح برداشت کرنا ہے۔ دھوکا دینے والے سروسامان دنیا کو متاع غرور سمجھ کر اس سے دامن بچا کر نکل جانا ہے اور ان کا سودا اپنے دین و ایمان کے ساتھ نہیں کرنا ہے اس لیے کہ یہ سودا سراسر خسارے کا سودا ہے۔ ع

کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا

فریبِ سود و زیاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

درحقیقت متاع غرور کے فریب سود و زیاں کا چکر ہی ہے جس میں انسان ساری عمر گزار دیتا ہے اور یہ بھولا رہتا ہے کہ مشین کے لئے تیل فراہم کرنا ہی مشین کا مقصد تخلیق ہے یا مقصد تخلیق کوئی دوسرا ہے اور تیل کی فراہمی مشین کو صرف چالو رکھنے کے لئے ہے تاکہ وہ اپنا مقصد تخلیق پورا کر سکے۔ انسان متاع غرور کی ظاہری خوشنمائی میں مبتلا ہو کر صرف مشین کو چالو رکھنے کی مصروفیت میں ہی سارا عرصۂ کارگزاری گزار دیتا ہے اور جب مشین کی کارگزاری کا حساب دینے کا وقت آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ جس کام کے لئے انسانی مشین بنائی گئی تھی ــــــ بندگی رب ــــــ وہ کارگزاری تو صفر رہی ہے اور سارا وقت صرف مشین کو چالو رکھنے میں ہی گزر گیا ہے۔

موت بھی انسان کو بار بار کسی دوسری دنیا کے وجود کا پتہ دیتی ہے لیکن یہ مبہم پتہ ایمان کامل نہیں ہوتا، جب تک کسی صاحب علم سے اس دوسری دنیا کے کوائف سامنے نہ آئیں اور دوسری دنیا کے کوائف کے بارے میں واحد صاحب علم رسول ہی ہوتا ہے۔ وہی بتاتا ہے کہ دنیا میں انسان کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے اور دنیوی عمل کا ایک اخروی نتیجہ سامنے آئے گا؛ اچھے عمل کا اچھا نتیجہ اور برے عمل کا برا نتیجہ۔

تصور آخرت:

یہ رسول ہی جانتے ہیں کہ دنیا کے موجودہ نظام کے درہم برہم ہونے کے بعد ایک عظیم الشان عدالت قائم ہوگی جس میں ہر عمل کا حساب ہوگا، انسان ایک نئے جسم کے ساتھ زندہ ہوگا اور اپنے پیدا کرنے والے خالق کے سامنے جس کا وہ دنیا میں نائب اور خلیفہ تھا، حاضر ہوگا اور دنیا میں اپنے منصب اور نیابتی کارکردگی کا پورا پورا حساب دے گا۔ سارے کام جانچے، تولے، پرکھے اور ناپے جائیں گے۔ ان کی پیچھے انسان کی نیت کا پیمانہ بھی سامنے آجائے گا اور سارا حساب پورے انصاف کے ساتھ ہو جائے گا۔ یہ عقیدہ قرآن وسنت کی تعلیمات کی بنیادی اقدار میں سے ہے اور اس پر اسلام کی ہدایت زندگی کی عمارت کھڑی ہے۔ اس عقیدے سے اسلامی انقلاب کا علم بردار انسان ذمہ دار اور خدا ترس بنتا اور خدا کی زمین پر خدا کی رحمت سایہ وجود میں آتا ہے۔

دیگر اہم اقدار:

ان بنیادی اقدار کے ساتھ عملی زندگی کی بے شمار اجتماعی، انفرادی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی قدریں مزید ہیں، جن کو ہم 'معروفات' کہتے ہیں، جن پر عمل درآمد اور جن کا اہتمام فرض ہے اور بے شمار منفی اور غیر مطلوب اعمال وافعال ہیں جن کو قرآن وسنت منکرات کہتے ہیں، گویا ایک وسیع سلسلہ ہدایت ہے، جو صراط مستقیم کی نشاندہی کرتا ہے اور اس کی حدبندی کرتا ہے۔ معروفات صراط مستقیم کی روش پر چلنے کے لئے امدادی نشانات ہیں اور منکرات صراط مستقیم سے ہٹ کر تباہی کے غاروں اور گڑھوں میں گرنے کی نشاندہی ہے۔

اسی طرح انسانی زندگی کی مطلوب قدروں میں سے ''باہمی اخوت'' بھی ایک مستقل قدر ہے۔ باہمی مشورے سے امور اجتماعی سرانجام دینا ایک اور قدر ہے۔ افراد کی انسانی سطح پر باہمی مساوات بھی ایک قدر ہے۔ معاشرے کے مساکین اور فقراء کی انفرادی اور اجتماعی دست گیری کا موثر انتظام بھی ایک قدر ہے۔ اجتماعی اخلاق کا اہتمام، تعاون و ہمدردی عوام کے سامنے احساس جوابدہی، جاہلی عصبیتوں سے پاک معاشرہ، خدا کے نازل کردہ قانون کی بالاتری، جائز و ناجائز اور حلال وحرام کی پابندی اور پاسداری، یہ سب رسول اکرم ﷺ کی

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

فحاشی اور عریانیت کا مسئلہ اور تعلیمات نبویؐ

پروفیسر مونسہ بشریٰ عابدی

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ فحاشی و عریانیت کا مسئلہ دورِ جدید کی پیداوار ہے۔ جسے قوم لوط پر نازل ہونے والے عذاب اور اس سے بھی پہلے حضرت آدمؑ وحواؑ کو بہشت سے نکالنے کے لیے ابلیسی سازش یاد ہو وہ یہ کہہ بھی کیسے سکتا ہے؟ مگر عریانیت آج سے زیادہ منظّم اور گلوبلائزڈ پہلے کب تھی؟ انسانی تاریخ میں اس نے ایک صنعت کا درجہ کب حاصل کیا ہوگا؟ بلکہ تحقیق و جستجو کے لئے اسے ایک وسیع میدان کب قرار دیا گیا ہوگا؟ اس طرح کہ سماج کے معزز اور معقول ترین افراد اور مذہبی شخصیات کو بھی اس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو اور عفت و پاک دامنی عنقاء ہو کر رہ گئی ہو؟ عفت وعصمت کے تحفظ کا مسئلہ آج سے زیادہ سنگین کب ہوا ہوگا؟ اور کب ایسا ہوا ہوگا کہ جنسی جنون اور آزادانہ شہوت رانی کو سماجی قبولیت اس طرح حاصل ہوگئی ہو کہ اسے عین معقولیت، خردمندی اور کامیابی کا درجہ دے دیا جائے جب کہ عفت مآبی کو دماغی خلل نامحرومی وناکامی سے تعبیر کیا جانے لگے؟ ابلیس کے کارندوں نے جنت سے نکالے جانے والے آدمؑ کی اولاد پر ایسی فتح کب پائی ہوگی کہ وہ مخالف وموافق جنس کا لحاظ کئے بغیر شہوت رانی کرتی پھرے اور عالمی سطح پر اس کے حق میں قانون سازی کی جانے لگے؟ نیز انسان اس قدر پست کب ہوا ہوگا کہ اپنے سفلی جذبات کی تسکین کے لیے وہ جانوروں کے اتحصال سے بھی گریز نہ کرے؟

واقعہ یہ ہے کہ تکنیکی ترقی کی رفتار عقل عام سے بالاتر ہوگئی ہے، نت نئی ایجادات کے سلسلہ نے نگاہوں کو اس طرح خیرہ کر کے رکھ دیا ہے کہ انسان کو خود اپنا وجود ان برقی مصنوعات کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگا ہے اور اس کی گرفت اپنی ذات پر سے بھی چھوٹتی جارہی ہے۔ اقبال نے 'مشینوں کی جس حکومت' کو دل کے لیے موت قرار دیا تھا وہ آج ہمارے سامنے ہے۔ مگر اس امر سے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کو اپنے تمام تنوع اور ایجادات کو صحیح طور پر سمجھنے اور برتنے کے لیے خودشناسی ہی اولین شرط ہے۔

'خودشناسی' بظاہر چھوٹا سا ایک لفظ ہے پر اپنے اندر معانی کا ایک جہاں سمیٹے ہوئے ہے انسان کے جسمانی، ذہنی ، اخلاقی ، انفرادی و اجتماعی وجود پر مبنی برحق شعور اور ادراک سے عبارت ہے۔ جس کے بیشتر پہلوؤں کو مادی ترقی نے براہ راست نہیں تو اس کے علم برداروں کی کم نظر نے کچل کر رکھ دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسانی تمدن جاں بہ لب اور روحانیت واخلاق عالم سکرات میں نظر آتے ہیں۔ ترقی کے مفہوم سے سماجی، اخلاقی وروحانی ارتقاء کو خارج کر دینے کے بعد جو کچھ بچ رہتا ہے وہ آسائش تو فراہم کرسکتا ہے لیکن راحت نہیں۔ سہولیتں تو مہیا کرسکتا ہے لیکن سکون نہیں۔ وسائل تو بہم پہنچا سکتا ہے لیکن مطلوبہ نتائج نہیں۔ اس ساری ہماہمی میں جسے انسانی ترقی کہا جاتا ہے قصداً یا سہواً جو اقدار سب سے زیادہ پامال ہو کر رہ گئی ہیں وہ صنفی اخلاقیات (Sexual Moralities) ہیں۔

بلاشبہ قافلۂ حیات کی ابتداء آدمؑ وحواؑ کی رفاقت سے ہوئی۔ رفاقت جو پرکیف بھی تھی اور نسل انسانی کی بقاء کے لیے ناگزیر بھی، رفاقت جو پائیدار بھی تھی اور قابل اعتماد بھی۔ رفاقت جو محض لذت یا شہوت نہیں مودّت ورحمت تھی۔ مگر جس طرح ہم نے اللہ کی دیگر نعمتوں کے ساتھ بھی کم ہی انصاف کیا صنفی میلان کو بھی پامال کرتے رہے۔ کبھی روحانیت و رہبانیت کے نام پر اس کی قوت تخلیق کو ناکارہ بنا کر رکھ دیا اور تمدن کے ارتقاء میں اسے اپنا حصہ ادا کرنے سے محروم کر دیا تو کبھی اسے ایک منہ زور گھوڑے کی طرح بے لگام چھوڑ دیا کہ تباہی مچاتا پھر یا دریا کے اس پانی کی طرح جس پر بند

باندھا جائے تو ہزاروں تعمیری کام لئے جاسکتے ہیں اور اگر بے دریغ چھوڑ دیا جائے تو بستیوں کی بستیاں تباہی سے دو چار ہوسکتی ہیں۔

انسان نے جب اپنی اس قوت کو سمجھنے میں غلطی کی اور افراط یا تفریط کا شکار ہوا تو تمدن کی بنیادیں ہل کر رہ گئیں مگر جب بھی اخلاقیات کے بند باندھے گئے، انسانی تہذیب نے اپنے عروج کی انتہا کو چھو لیا۔ یہاں تک کہ ''ایک عورت، زیورات میں لدی، حجاز سے یمن تک تنہا سفر کرے گی اور اسے راہ میں جنگلی جانوروں کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا، تاریخ نے یہ منظر دیکھا اور ریکارڈ کیا جو رحمت عالم ﷺ کی عنایت کردہ صنفی اخلاقیات سے مزین تہذیب کی روشن مثال ہے۔ کیا ہم آج اس کا تصور کر سکتے ہیں؟ مگر کیوں نہیں۔ کیا آج ہم پہلے سے زیادہ خود کو ترقی یافتہ نہیں سمجھتے؟ کیا کائنات کے طبعی اور سماجی معاملات میں ہمارا دخل پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ نہیں گیا ہے؟ کیا ہم ایک تیز رفتار ارتقاء پذیر تمدن کے علم بردار نہیں؟ پھر انسان اپنے ہی ہاتھوں اس قدر غیر محفوظ کیوں ہوگیا ہے؟

عرب میں جنسی تسکین کے چار طریقے رائج تھے۔ بھارت میں شادی کے ۸ طریقہ مروج تھے اور ان میں بھی صرف ایک ہی فطری تھا۔ دنیا کے سارے قدیم سماجوں میں فحاشی کے بھی کچھ محدود ضابطے تھے لیکن آج وہ ہر قید سے پوری طرح آزاد ہے۔ میڈیا کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں روزانہ ۱۲ ہزار ۸ سو زنا بالجبر کے واقعات ہوتے ہیں (خیال رہے کہ ان میں زنا بالرضا کا شمار نہیں کیوں کہ مغرب کی لغت میں وہ گناہ ہی نہیں)۔ لندن کا ایک نوجوان اپنی نگاہوں کو بچانے کے لیے نظریں جس طرف بھی پھیرتا ہے، عریانیت کے مظاہرے سے تنگ آجاتا ہے اور اس کی گھٹن لفٹ پر چسپاں عریاں ترین اشتہارات کو دیکھ کر اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اسے دم نکلتا محسوس ہوتا ہے۔ رقص گاہوں کا تو ذکر ہی کیا عبادت گاہوں میں عریانیت کے مظاہرے اب عام ہیں۔ امریکہ کے Lakesoar Area میں ہم جنس جوڑے بے باکی سے ادھر ادھر پڑے نظر آتے ہیں۔ ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں یہ ہدایت تحریر ہوتی ہے کہ No Nude Please۔ ایک امریکی مصنف اعتراف کرتا ہے کہ ''ہم ایک فحش قوم ہیں، یہ سمجھنا کہ فحاشی کو سزا کے ذریعہ سے روکا جاسکتا ہے، کسی حماقت سے کم نہیں بلکہ ایسی کوشش پارساؤں کے جذبات کو بھی برانگیختہ کر کے رکھ دے گی۔'' ایک فلم ساز نے اعتراف کیا ہے کہ ''جنسی جرائم ،زنا، اغوا، قتل، امراض خبیثہ اور مار دھاڑ کی فلموں کی کثرت پر روک نہ لگائی گئی تو امریکہ ایک دن صرف قاتلوں، غنڈوں، زانیوں اور ڈاکوؤں کا ملک بن کر رہ جائے گا۔'' برطانیہ میں کوئی ۱۵۰ سال قبل شراب پر ۱۴ ارب پاؤنڈ ماہانہ خرچ ہوتے تھے اور اب خدا جانے؟ شادی شدہ لوگوں میں ۹۰ فی صد خواتین باکرہ نہیں ہوتی تھیں۔ فرانس نے ۱۹۵۵ء ہی میں اعلان کر دیا تھا کہ ''ہمارے اندر ایک بھی عورت باعصمت نہیں اور ہمیں اس پر فخر ہے۔'' عفت و عصمت از کار رفتہ اور فرسودہ قدریں قرار دی جاچکی ہیں۔ پیرس کی سڑکوں پر سر عام عصمت فروش خواتین گھومتی نظر آتی ہیں۔ ہمارے اپنے ملک کے ترقی یافتہ شہروں میں بیئر بار کی کثرت اور اس میں نوخیز دوشیزاؤں کی درگت کا اندازہ کریں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ عوامی سواریاں اگر ان علاقوں سے گذر جائیں تو رگوں میں خون کی گردش تھمتی ہوئی اور ریڑھ کی ہڈی سے سرد لہر گزرتی محسوس ہوتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ زمین پھٹے اور ہم اس میں سما جائیں، پر اب Female ہی نہیں Male Sex Workers کے اشتہارات ٹرینوں اور بسوں میں موجود ہیں۔ حکومت ان کے حقوق کی پاسداری اور انہیں تحفظ فراہم کرنے میں لگی ہے کہ سماج میں موجود جنسی درندے کی ہوس پوری کرتے رہیں۔ پیرس اور لندن ہی کیوں ٹوکیو اور ماسکو بھی اس معاملہ میں کسی طرح پیچھے نہیں اور ہم بھی اسی راستے پر بگٹٹ دوڑے جارہے ہیں۔ چناں چہ ہمارے ہاں بھی شادی شدہ زندگی سے فرار کا جنون بڑھتا جارہا ہے۔ تعلیم یافتہ خوش حال طبقوں میں شرح پیدائش کی کمی کا رجحان عام ہے اور Double Income No Kid (DINK) کی بیماری میں ہم سب بھی بری طرح مبتلا ہوتے جارہے ہیں۔

Pitirim A Sorokin نے اپنی کتاب American Sex Revolution میں تحریر کیا ہے کہ ''امریکی جنسی انارکی کی طرف دوڑ رہے ہیں جو زوال کی علامت ہے جیسا کہ قدیم یونان اور روم میں ہو چکا ہے۔ جنس کے سیلاب عظیم نے ہمیں گھیر رکھا ہے، ہماری تہذیب کے ہر شعبہ

میں یہ گھس آیا ہے۔ امریکہ کی سیاسی زندگی تک شہوانیت کی لہروں کی زد میں ہے۔ جنسی رشوت اور جنسی استحصال اب عام ہے اور اس میں ملوث شخصیات اعلیٰ عہدوں پر فائز نظر آتی ہیں۔''

ماہر طبعیات ہڈسن نے برسوں پہلے اعتراف کیا تھا کہ ''ہماری تہذیب کی دیواریں منہدم ہونے کو ہیں کیوں کہ اس تہذیب کے تمام لوگوں کی توجہ آزادانہ جنسی تعلقات، قحبہ گری، عصمت فروشی اور ہم جنسی پر مرکوز ہے جس سے ہماری تعمیری صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں۔'' ڈاکٹر الیکس کاریل

Man The Unknown

میں رقمطراز ہیں کہ ''تیز سواریاں، آرام دہ گاڑیاں، سستے ریڈیو، ٹی وی اور موبائیل فون اور دور کی چیزوں کا مشاہدہ کرنے کے لئے دوربینوں کی تخلیق سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ ہم خود پر توجہ دیں۔ یعنی وہی کہ:

ڈوھونے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اب مغربی مفکرین بھی خود پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس کرنے لگے ہیں۔ اس خود سازی یا اپنی شخصیت کی تعمیر کے لیے رول ماڈل کی ضرورت سے انکار کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ تاریخ کے ذخیرہ کو کھنگالنے کی ضرورت ہے اور اس مکمل شخصیت کی تلاش کی جو شہوت رانی کے اس عام مرض کی دوا کر سکے۔ موجودہ تہذیب کے متوالے نشہ میں چور جس برگزیدہ ہستی ﷺ کے ناموس پر سب سے زیادہ ٹوٹ پڑے ہیں ان کے درد کا مداوا ابھی دراصل اسی کے پاس ہے۔ جس کو مائیکل ہارٹ نے دنیا کی سب سے زیادہ متاثر کن شخصیت قرار دیا ہے۔ اور جس ہستی کو لاکھوں کی تعداد میں سوانح نگاروں نے منتخب کیا۔ جس کے ہند و نصائح کو ڈ آف کنڈکٹ کی حدوں سے آگ بڑھ کر مسلّمہ قوانین ــــــ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر نفاذ کے مرحلوں سے گزرے اور جن کو آج بھی دنیا کی سب سے اہم قانون ساز شخصیتوں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ جو سماج کی تزئین کے لئے سب سے پہلے تعلیم و تلقین کے ذریعہ سماجی بیداری کی تدبیر کو اپنانے کا حکم دیتے ہیں۔ دوسرے مرحلہ میں احتیاطی تدابیر کا اور تیسرے مرحلے پر تعزیری قوانین کا۔ صنفی اخلاقیات کے متعلق آپ کی تعلیمات کو بھی مندرجہ بالا تینوں مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اس معاملہ میں آپ ﷺ کی سیرت کے پہلو بھی تین ہیں:

۱۔ شمائل
۲۔ اقوال
۳۔ احکامات

شمائل کو لیں تو بے شمار گواہوں کی روشنی میں آپ ﷺ کی ذات کسی کنواری لڑکی سے زیادہ باحیاء و باوقار نظر آئے گی۔ سوتے میں چت لیٹنے سے پرہیز کہ جسم کے خدوخال نمایاں نہ ہوں۔ ہمیشہ بدن سمیٹ کر سوتے، لباس نہ زیادہ تنگ نہ ڈھیال کہ بے لباسی لگے۔ تشبہ سے منع فرمایا کہ فیشن پرستی کی جڑ ہی کاٹ دی جس نے آج نت نئے فتنے اٹھا رکھے ہیں۔ تہبند کے عادی تھے اور تشبیہ سے متنفر، مگر فارس سے آیا پاجامہ دیکھا تو پسند کیا، خریدا اور فرمایا: میں اسے پہنوں گا؛ سفر میں، حضر میں، دن میں رات میں کیوں کہ مجھے ستر پوشی کا لحاظ ہے اور اس سے زیادہ ستر پوشی کا لباس کوئی نہیں۔ رفع حاجت کے لئے دور دو میل تک چلے جاتے کہ لوگوں کی نگاہوں سے پوری طرح اوجھل ہو جائیں۔ دریا میں نہاتے تب بھی ساتر لباس زیب تن فرماتے۔ چال ایسی متوازن کہ قدموں کی چاپ تک نہ سنی جا سکے اور رفتار ایسی کہ ''زمین آپ ﷺ کی رفتار کے ساتھ لپٹی چلی جا رہی ہو'' گفتار پاکیزہ مگر حسن گفتار سے عاری نہیں۔ خاموشی بھی حسین و خوب صورت، مسکرانا مگر ٹھٹھے مارنے سے گریز۔ تفریحات بھی پاکیزہ مگر بے کیف نہیں۔ سرسبز و شاداب باغات کی سیر، تالابوں میں تیراکی، بارشوں کے پانی لطف اٹھانا، دوڑ لگانا، تیراندازی اور تلوار بازی کی مشق، مسرت کے موقعوں پر چھوٹی بچیوں کے سننا، بزم عروسی میں دف بجانے کی اجازت، پاکیزہ شعر و سخن کی مجلسوں میں شرکت اور رزمیہ نظموں کی باقاعدہ ترغیب، جس پر حسانؓ، خنساؓ اور کعب بن مالکؓ عمل پیرا ہو جاتے۔ اس کے باوجود ہنگاموں سے گریز۔ طبعی متانت ہر وقت پاسبان۔

آپ ﷺ کے اقوال زریں کو لیں تو ''حیا کو ایمان کا جزء قرار دیا بلکہ فرمایا کہ ہر دین کا ایک مزاج ہوتا ہے اسلام کا مزاج حیاء ہے۔'' حیاء اور ایمان کو اس طرح لازم و ملزوم قرار دیا کہ ''اگر ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔'' گویا چراغ کے ساتھ روشنی اور روشنی کے ساتھ چراغ کا

روشنی کے ساتھ چراغ کا رشتہ۔ فحش و بے حیائی کی باتوں کو باعث عیب قرار دیا۔ اور حیاء کو خوشنما کی ضمانت۔ دیکھا جائے تو حیاء ہی حسن ہے مقابلہ جات حسن میں جسم کی پیمائش تو ہوسکتی ہے دلکشی کی نہیں، یہ کہ خوشبو کی پیمائش کیونکر ممکن ہے؟ عریانیت کو انسانیت کی تذلیل قرار دیا اور فرمایا کہ مومن کے لئے زیبا نہیں کہ وہ خود کو ذلیل کرے۔ پھر انسان مسجود ملائک ہے۔ نکاح کے ذریعہ جائز لذت کو مستحسن قرار دیا۔ زنا کو کبیرہ گناہوں میں شمار کر کے احکام کے ذریعہ اس کی عملاً روک تھام کی ترغیب دلائی۔ قیامت کے روز جو لوگ عرش کے سائے میں ہوں گے ان میں وہ شخص بھی ہوگا جس کو کسی صاحب جمال و مرتبہ دوشیزہ نے بدکاری کا پیشکش کی ہو مگر اس نے اللہ کے خوف سے اسے ٹھکرا دیا ہو۔ نکاح کو نگاہ نیچی رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی عبادت کا درجہ دیا۔ عورتوں کو مردوں کے اور مردوں کو عورتوں کے فتنے سے آگاہ کرتے رہے۔ اور بتایا کہ بنی اسرائیل کی آزمائش عورتوں کے ذریعہ ہوئی۔ آنکھ، کان، ہاتھ، پیر اور جسم جس کے ہر حصہ کو زنا کے لیے پیش قدمی سے ترغیباً روکا۔ مرد کو بیوی کی ہی نہیں لونڈیوں کی عصمت کا بھی محافظ بنایا۔ زنا کے پہلے قدم یعنی نگاہوں کی خیانت تک پر گرفت فرمائی۔ یک کے بعد دوسری نظر کو شیطان کی جانب سے قرار دیا۔ عورتوں کے گانے بجانے کا رواج ختم کیا۔ خواتین کو گھر سے باہر کہیں ضرورتاً بھی بے لباس ہونے سے روکا۔ رات بھر کے سفر کے لیے محرم رشتہ دار کی معیت کو لازمی قرار دیا۔ نامحرموں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے منع فرمایا اور خبردار کیا کہ شیطان تمہاری رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ بیعت کے دوران بھی عورتوں سے ہاتھ ملانے سے پرہیز کیا۔ کسی عورت پر نگاہ پڑے اور کشش محسوس ہو تو بیوی کے پاس جا کر جذبات کی تسکین کا زریں مشورہ دیا۔ تعداد ازدواج کی اجازت کا حکم الہیٰ پہنچا کر صرف جائز رشتہ کی گنجائش باقی رکھی۔ بیواؤں اور تنہا مردوں اور عورتوں پر بہتان بازی کرنے سے منع فرمایا کہ سماج میں فحش بیانی کا رجحان نہ پیدا ہو۔ مریمؑ، عائشہؓ، اور سیتا کا اگر موازنہ کریں جن پر ایک سے الزامات لگے مگر اسلام ہی عورت کو وحی کے ذریعہ اس سے بری کیا ورنہ عیسائیت نے مریمؑ کی عصمت کو داغدار کیا اور سیتا کو اپنی پاکدامنی ثابت کرنے کے لیے اگنی پریکشا سے گزرنا پڑا (خواہ یہ دیومالائی قصہ کیوں نہ ہو) اس سے ہندو سماج میں عورت کے مقام پر روشنی پڑتی ہے۔ احتیاط اتنی کی محنث تک خواتین سے میل جول کرنے سے روکا۔ خوشبو لگا کر عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے منع فرمایا۔ حضرت اسماءؓ (اپنی سالی) کو بھی دیکھ کر منہ پھیر لیا جب کہ وہ ساتر لباس میں نہ تھیں۔ لباس کی حدود متعین کی۔ عورتوں مردوں دونوں کے لیے، عورتوں عورتوں کے قابل شرم حصوں پر نگاہ ڈالنے سے منع کیا اور مردوں کو بھی جس سے ہم جنسی کی جڑیں ہی کٹ جاتی ہے۔ فحاشی و عریانیت کی کسی انداز میں بھی نمائش کو ختم کر دکھایا مگر اس کے باوجود بھی جو گناہ میں مبتلا ہوں ان کے لیے سخت ترین سزائیں تجویز کیں۔ جن میں کوڑے، سنگساری اور جلاوطنی شامل ہے۔ جن پر عمل کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے نصر بن حجاج کو جن کے کردار کے متعلق شکوک پیدا ہو گئے تھے جلاوطن کر دیا۔ ایک مخنث کو آپ ﷺ نے خود بے ہودہ گفتگو میں ملوث پایا تو اسے صحرا کی طرف بھیج دیا۔ یہ آپؐ ہی کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ سبیعہؓ غامدیہ سے جب اپنے نفس کے معاملہ میں خیانت کا ارتکاب ہوا تو وہ خود آپ کے پاس آئیں کہ ''مجھے پاک کر دیجیے'' آپؐ ٹالتے رہے۔ پہلے بچے کی ولادت، پھر رضاعت تک مگر وہ بچے کو ساتھ لے کر آئیں اور اسے روٹی کھلا کر دکھایا۔ یہاں تک کہ آپؐ تمام تر لطف و کرم کے باوجود حد جاری کرنے پر مجبور ہو گئے۔ محض اس لیے کہ صحابیہ پاک ہو کر اپنے رب کے حضور جانا چاہتی تھیں اور یہ فکر ان کے اوپر بچہ کی پرورش سے کہیں زیادہ مسلط تھی۔ جوابدہی کا یہ احساس اور جرم کی اخروی سزا سے بچنے کا یہ جذبہ آپؐ ہی کی سیرت کا فیضان تھا۔

آپ ﷺ نے ایسے پاکیزہ سماج کی تعمیر کی جس میں گناہ کی گنجائش ہی نہ تھی۔ محرکات گناہ ناپید تھے۔ فضا عفت و عصمت کی خوشبو میں بسی تھی۔ خاندانی نظام مستحکم و مضبوط تھا۔ بدی یا بدکاری کے لیے فضا ناسازگار تھی کہ سرزد ہو بھی جاتی تو پھیل نہ سکتی تھی۔ آج جب کہ ہم فحاشی و عریانیت کی آخری انتہاؤں کو چھو رہے معاشرہ میں بدکاری و گناہوں سے آلودہ فضا میں سانس لے رہے ہیں اور ہمارے پاس اس کے زہر آلود اثرات کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں رہے۔ انسانی تمدن ہر قسم کی بندشوں سے آزاد جنگلی جانوروں کے ریوڑ

کہیں سے نظر نہیں آتی۔ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہؐ اور آپؐ کے برپا کردہ اخلاقی، روحانی اور سماجی انقلاب کو نظر انداز کر دینا یا اس سے بغض وعناد کا مظاہرہ انسانیت کے حق میں نہیں ہوسکتا۔

اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مغربی قدروں کے علم بردار اسلام میں عورت کے مقام اور خاندانی قوانین کے علاوہ حجاب کو مسلسل نشانہ کیوں بناتے آرہے ہیں؟ یہ اعتراضات نئے نہیں صدیوں سے دوہرائے جارہے ہیں مگر ان کی نوعیت بدلتی جارہی ہے اس میں شدت اور جنون کا عنصر بڑھتا چلا جارہا ہے۔ فرانس میں حجاب پر پابندی اور اس کے بعد یورپی ممالک کے ذریعہ اس کی تقلید، خود ہندوستان کی جنوبی ریاست کرناٹک کے ضلع ''دکشن کنڑا'' اور دیگر مقامات پر باحجاب طالبات کو کیمپس سے نکال باہر کرنا بھی اسی کی بازگشت ہے۔ مغرب کا یہ جنون جرمنی میں ایک مصری نژاد دوشیزہ مروہ الشربینی کے قتل تک جا پہنچا ہے۔ جسے ایک پارک میں دیکھ کر ایک ایک جرمن شہری نے نازیبا فقرے کسے تھے۔ مروہ نے ہتک عزت کا مقدمہ دائر کیا اور وہ جیت گئی تھی جس پر اس جرمن شہری نے دوبارہ ایک اعلیٰ عدالت میں اپیل کی تھی اور سماعت کے دوران ہی اپنی شکست کے اندیشہ سے مروہ کو سفاکانہ انداز میں قتل کر دیا تھا۔ اس دوران جب اس کا شوہر بچاؤ کرنے آیا تو عدالت میں موجود سیکوریٹی افسران نے اس پر بھی قاتلانہ حملہ کر دیا تھا۔ عدالت کے کمرے میں مناسب سیکوریٹی کو لے کر یورپ میں بحثیں تو ہوئیں مگر حجاب کے خلاف نفرت کا سبب دریافت نہیں کیا جاسکا!

دیکھا جائے تو کثیر ملکی کمپنیوں کی تجارت جن اشتہارات پر منحصر ہے، وہ عورت کی عریانیت کے سہارے چل رہے ہیں۔ عورت کی عصمت ان کے لئے سب سے حقیر اور اذکار رفتہ شئے ہے جس کو وہ معمولی قیمت پر بیچنے میں عار محسوس کرتے۔ جب کہ مغرب کی عریانیت اور فحاشی سے گھبرائی ہوئی عورت اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لیتی چلی جارہی ہے۔ چناں چہ اسلام قبول کرنے والوں میں نوجوان خواتین کی تعداد تیزی سے بڑھتی چلی جارہی ہے۔ یہ ایک اشارہ ہے کہ عورت خود کو مغربی تہذیب سے کہیں زیادہ اسلام کے دائرہ میں محفوظ سمجھتی ہے۔ حجاب کی پاداش میں بڑھتے ہوئے مظالم کے باوجود مسلم خواتین کی نہ حجاب سے محبت کم ہوئی ہے اور نہ ہی اس کے لئے قربانی دینے کا جذبہ۔

> **آپ ﷺ کے اقوال زریں کو لیں تو ''حیا کو ایمان کا جزء قرار دیا بلکہ فرمایا کہ ہر دین کا ایک مزاج ہوتا ہے اسلام کا مزاج حیاء ہے۔'' حیاء اور ایمان کو اس طرح لازم وملزوم قرار دیا کہ ''اگر ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔'' گویا چراغ کے ساتھ روشنی اور روشنی کے ساتھ چراغ کا رشتہ۔**

تاہم مغرب تو یہ اندیشہ لاحق ہے کہ عورت اگر حجاب اور اسلام کے دائرہ رحمت میں پناہ لیتی چلی جائے تو نہ صرف ان کی تہذیب بلکہ معیشت بھی زوال پذیر ہوکر رہ جائے گی۔ عورت کو خاندانی بندھنوں سے آزاد رکھ کر گھناؤنے معاشی مفادات کے لیے اس کا استحصال ان کا گرو منتر ہے۔ لہٰذا وہ اس کے خلاف شعوری طور پر منضبط جنگ لڑنے پر آمادہ ہیں۔ چناں چہ جنگ زدہ افغانستان میں جب بازآبادکاری کا شور مچایا گیا تو خواتین کے لیے بیوہ گھروں یا گھریلو روزگار کی فراہمی کی بجائے بیوٹی پارلرس کا جال بچھادیا گیا۔ وداع صمد زئی کو ایک عرصہ کے بعد افغانستان سے Beauty for the Cause کے ٹائٹل سے نوازگیا تاکہ افغانستان کی حیاء دار اور پاکیزہ مسلم خواتین مغربی تہذیب کی لعنت میں آلودہ ہوجائیں۔

ایسے میں نہ صرف مغربی ممالک بلکہ مشرقی ممالک میں بھی جہاں مغربی تہذیب کی تقلید میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے، سیرت سرور عالم ﷺ کو نہ صرف بھرپور انداز میں متعارف کرانے بلکہ اس پر عمل پیرا ہوکر پاکیزہ معاشروں کے عملی مثالیں پیش کرنی چاہیے۔ تاکہ سوئی ہوئی انسانیت کے جذبۂ حیاء اور عفت کو بیدار کیا جائے۔ فی زمانہ اس کی ضرورت جتنی شدید ہوگئی ہے شاید ہی کسی اور زمانہ میں رہی ہو۔

(ماہنامہ افکار ملی، ستمبر ۲۰۱۰)

قیادتی اوصاف سیرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

ابوظفر عادل اعظمی

کسی بھی معاشرے یا نظام کو کامیابی سے ہم کنار کرنے اور اس کو ایک مثالی معاشرہ بنانے کے لیے نہ صرف یہ کہ اس کا کوئی قائد اور لیڈر ہونا چاہیے بلکہ اس میں بہترین قائدانہ صفات بھی ہونی چاہئیں۔ چوں کہ انسان بنیادی طور پر تمدن پسند واقع ہوا ہے لہذا اجتماعیت اس کے شعور میں بسی ہوئی ہے اور کسی بھی اجتماعیت کا تصور قائد کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ قائد کے بغیر کوئی بھی اجتماعیت، اجتماعیت نہیں بلکہ ایک ایسا ریوڑ ہے جس کا کوئی مقصد اور منزل نہیں ہوتی۔

قائد یا لیڈر کا تصور تاریخ انسانی میں انتہائی قدیم ہے۔ تقریباً ہر زمانے میں یہ انسانی ضرورت رہی ہے۔ فی زمانہ جدید تر قیات اور مادیت نے قیادت کی اہمیت مزید بڑھادی ہے۔ چناں چہ ایک بہترین قائد کو کن صفات کا حامل ہونا چاہئے، یہ مشرق ومغرب ہر طرف بحث کا موضوع ہے۔

جدید تعلیم میں قائدانہ اوصاف اور نظم وضبط کی صلاحیتوں پر طویل اور مفصل نصاب رائج ہے۔ ایک منتظم، منیجر، گروپ لیڈر یا قائد کو کس طرح سے اپنی ذمہ داریاں نبھانی ہیں؟ کیا مسائل ان کو انگیز کرنے ہیں؟ اور ان مسائل کو کس طرح سے حل کرنا ہے؟ افراد کے اندر صلاحیت کو کس طرح فروغ دینا ہے؟ وسائل، مقاصد اور مسائل کے درمیان نسبت کیا ہوگی؟ یہ دور جدید کی کارپوریٹ تعلیم کے اہم ابواب ہیں۔ مینجمنٹ، شخصیت سازی اور نفسیات کے ماہرین نے اس ضمن میں متعدد اصول بھی وضع کیے ہیں۔ ہم فی الحال بہ حیثیتِ مجموعی ان کا جائزہ لیتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کن پہلوؤں کی طرف نشان دہی کی ہے اور دنیا کے عظیم قائد کی حیثیت سے آپؐ نے کس طرح ۲۳ رسال کی قلیل مدت میں جہالت زدہ معاشرے میں ایک انقلاب عظیم برپا کردیا تھا۔ مثالی شخصیت کی تعمیر کے سلسلے میں سیرت سے کیا رہ نمائی ملتی ہے؟

مینجمنٹ کے ماہرین کے مطابق ایک قائد کو حوصلہ، ولولہ، افراد شناسی، دور اندیشی، خود اعتمادی، مستقل مزاجی کی صفات سے متصف ہونا چاہیے۔ متعدد ماہرین نے قائد کی نفسیات شناسی اور رابطہ عاملہ کی صلاحیت پر زیادہ زور دیا ہے۔ ماہرین کے بقول قائد اپنے ماتحتوں کے اندر حوصلہ ولولہ پیدا کرنے والا ہو اور اس کے پاس وافرفنی اور تکنیکی معلومات ہوں۔ ماہر نفسیات اور مینجمنٹ کے پروفیسر ایم عطاء اللہ نے ایک قائد یا منیجر کے لئے ایک آئیڈیل گراف متعارف کرایا ہے۔ اس گراف کے چار حصے ہیں:

۱۔ معلومات اور لیاقت:-

قائد کو حالات سے باخبر رہنا چاہیے۔ مسائل کے حل اور معاملات کے تصفیہ کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے۔

۲۔ مامورین کی رہ نمائی:-

مختلف سطح پر مامورین کی رہ نمائی ضروری ہے تاکہ جماعت یا ادارہ کو اپنا مطمح نظر حاصل کرنے میں آسانی ہو۔

۳۔ انفرادی تفہیم:-

انفرادی طور پر افراد کی کاؤنسلنگ اور رہ نمائی بھی ضروری ہے۔

۴۔ رویہ میں تبدیلی:-

پوری جماعت اور ادارہ کے رویہ میں تبدیلی لانا۔ یہ مرحلہ سب سے دشوار، وقت اور محنت طلب ہے۔

اس کے علی الرغم ماہرین نے قائد یا مینیجر کے منفی پہلوؤں سے بھی بحث

کی ہے۔ ماہرین نے اسے Low Frustation Toleration (L.F.T) کا نام دیا ہے یعنی احساسی محرومی اور قوت برداشت کی کمی۔ ایک قائد کو اعلیٰ ظرف اور وسیع النظر ہونا چاہیے اور اسے کبھی بھی احساس محرومی یا احساس کمتری کا شکار ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

احادیث اور اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت میں قائد کی جو خصوصیات ملتی ہیں، ان کو درجِ ذیل نکات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے:

☆ مضبوط عقیدہ و ایمان ☆ ہمت و حوصلہ
☆ اخلاق و تقویٰ ☆ رابطہ عامہ
☆ صبر و عزیمت ☆ جہد مسلسل
☆ علم و حکمت ☆ اتحاد، ہم آہنگی اور مشاورت
☆ ایمانداری اور اعتماد ☆ انصاف
☆ ایثار و قربانی ☆ تشکر و امتنان

حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''امارت خود مت طلب کرنا! اگر وہ تمہیں طلب اور کوششوں سے ملے گی تو اس کے بارے میں تمہارے نفس کے حوالے کر دیا جائے گا اور اگر طلب کئے بغیر ملے تو تمہاری مدد کی جائے گی۔''

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے جو اجتماعی معاملات میں کسی عہدے کا خواہش مند ہو اسے وہ عہدہ مت دو۔

قیادت کے حوالے سے یہ ہدایت انتہائی بنیادی اور دوررس نتائج کی حامل ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

''تم میں سے ہر ایک چرواہا یا نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

آپ نے فرمایا: ''سَيِّدُ الْقَوْمِ خادِمُهُ'' قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔ اس طرح آپ نے قائد کے اندر بشری طور پر پیدا ہونے والے غرور اور کبر کی جڑ کاٹ دی۔

قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی جماعت کے ارباب حل وعقد سے مشورے کرے صرف اپنی نہ چلائے۔ آپؐ کے اسوہ سے ہمیں جو سبق ملتا ہے وہ یہی ہے کہ آپؐ صحابہ کرامؓ سے مختلف امور پر مشورہ کرتے تھے اور اللہ رب العزت نے بھی مومنین کی صفت یہ بیان کی ہے کہ ان کے معاملات آپسی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

ایک قائد کے لیے انتہائی اہم چیز جواب دہی کا تصور ہے۔ اس تصور کے بغیر قائد اور جماعت فلاح و کامرانی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی۔

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

●●●

فارم نمبر چار (Form (4

مالک : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔
وقفہ اشاعت : ماہانہ
مقام اشاعت: پہلا منزلہ، بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے، سبھاش چوک، آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

عدل اجتماعی، میثاق مدینہ کے تناظر میں

محمد اسامہ عظیم

اسلام کی تمام تعلیمات عدل وانصاف پر مبنی ہیں، خواہ یہ تعلیمات انفرادی زندگی سے متعلق ہوں یا اجتماعی زندگی سے۔ انسانی تہذیب وتمدن کی گاڑی عدل اجتماعی کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتی۔ دنیا میں حقیقی عدل اجتماعی کا قیام صالح اہل ایمان کے ذریعے ہی ممکن ہے کیونکہ انہیں کے پاس وہ حقیقی بنیادیں ہیں جن پر عدل اجتماعی اپنی کامل شکل میں قائم ہوسکتا ہے۔

عدل اجتماعی کے لیے ایک ایسی ریاست کا ہونا ضروری ہے جس کی بنیاد وحی پر ہو، نہ کہ عقل پر کیوں کہ عقل اپنے ماحول سے حد درجہ متاثر ہوتی ہے اور اس پر کئی دوسرے عوامل کا اثر بھی پڑتا ہے نتیجتاً اجتماعی ایک خواب بن کر رہ جاتا ہے۔ مدینہ تشریف آوری کے بعد جب نبی اکرم ﷺ کو رسول کے ساتھ ساتھ حاکم بھی تسلیم کرلیا گیا تو اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسی دستاویز تیار کی جائے جس میں مدینہ کے تمام قبائل اور مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق وفرائض متعین کردیے جائیں، چنانچہ اس ضرورت کی تکمیل ''میثاق مدینہ'' کی شکل میں ہوئی۔

عدل کا معنی ومفہوم:

'عدل'، مصدر ہے۔ اس کا مادہ ع، د، ل ہے۔ اس کے معنی برابری، مساوات اور انصاف کے ہیں۔ عربی کی مشہور لغت، لسان العرب میں اس کا معنی ہے: ''انه مستقیم وهو ضد الجور'' یعنی اس کا معنی سیدھا ہے اور جور (ظلم) کی ضد ہے۔

عدل کا مفہوم مختلف مناسبتوں کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ عدل کا ایک مفہوم یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے، دوسرا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ عدل کرے یعنی اپنی ذات کو ایسی باتوں اور چیزوں سے دور رکھے جو جسمانی اور روحانی نقصان کا باعث بنے، اور تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنی ذات اور مخلوق کے درمیان عدل کرے، جس کا جو حق ہے اسکو اسکا حق دے۔ اسلامی شریعت میں عدل ان تمام معانی میں استعمال ہوا ہے۔

انبیاء کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد عدل وقسط کا قیام رہا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

''یقینا ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور انکے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہوجائیں''۔ (الحدید: ۲۵)

یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ طاقت وقوت کے مراکز اس کے ساتھ نہ ہوں کیونکہ حقیقی اور ہمہ جہت عدل کا قیام صالح نظام حکومت سے جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ جب صالح لوگوں کے ہاتھ میں نظام آتا ہے تو قرآن یہ ہدایت دیتا ہے:

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کرو''۔ (النساء: ۵۸)

اسلام کے عادلانہ نظام کی روح اور مزاج پر گفتگو کرتے ہوئے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں سید قطبؒ لکھتے ہیں:

''عدل وانصاف سب انسانوں کے لیے عام ہے، صرف مسلمانوں کے مابین انصاف نہیں! صرف اہل کتاب کے ساتھ انصاف نہیں! سب ''انسانوں'' کے ساتھ انصاف! خدائی نظام میں انصاف پانے کا حق ''انسان'' ہونے کی صفت پر مترتب ہوتا ہے اور یہ وہ صفت ہے جس میں تمام انسان ___ مومن، اور کافر، دوست اور دشمن، کالے اور گورے، عربی اور عجمی ___ مشترک اور متحد ہیں، اور امت مسلمہ انسانوں کے مابین عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ___ جب بھی وہ فیصلہ کرے ___ ذمہ دار ہے! اس طرح کے انصاف سے (جو سب انسانوں کے لیے ہو) نوع انسانی کبھی بھی آشنا نہ ہوسکی، بجز اس کے کہ ایسا عدل صرف اسلام کے ہاتھوں قائم ہوا، مسلمانوں کے فیصلوں کے ذریعے سامنے آیا اور نوع انسانی کے لیے اسلامی قیادت کے دور میں یہ انصاف لوگوں کو ملا۔ سب انسانوں

کے لیے اس بے لاگ انصاف سے نوع انسانی اسلامی قیادت کے عہد سے قبل بھی محروم تھی اور اسلامی قیادت کے دور کے بعد بھی محروم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نوع انسانی نے اس بزرگ اور شریف صورت میں انصاف کا مزا اسلامی قیادت کے سوا کبھی نہیں چکھا کہ وہ سب انسانوں کو صرف اس بنا پر حاصل ہوتا ہو کہ وہ ''انسان'' ہیں، ''انسانیت'' کی صفت کے علاوہ جس میں سب انسان مشترک ہیں، کسی اور صفت کی بنیاد پر نہیں۔ یہی ___ سب انسانوں کے ساتھ انصاف ___ اسلام میں فیصلے کی اساس و بنیاد ہے، جس طرح کہ ''امانت'' ___ اپنے وسیع اور جامع مفہوم کے ساتھ ___ اسلامی سماج میں زندگی کی اساس ہے''۔ (فی ظلال القرآن (اردو ترجمہ) جلد ۳، ص ۳۵۵)

جب اسلام کی بنیاد ہی عدل پر قائم ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اجتماعی زندگی میں اس کی عادلانہ رہنمائی نہ ہو اور پھر عملا نبی اکرم ﷺ نے اسکو اجتماعی طور پر نافذ نہ کیا ہو۔ چنانچہ عدل اجتماعی کا سب سے پہلا قدم میثاق مدینہ کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ اس میثاق کے کے متعلق مشہور مصری سیرت نگار محمد حسین ہیکل کہتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کے ذریعے لکھی گئی چودہ سو سال قبل اس سیاسی دستاویز نے اس وقت کے لوگوں کو فکر و عقیدے کی آزادی فراہم کی اور جان و مال اور ریاست کی عظمت کو اجاگر کیا۔ یہ اس زمانے کی سیاسی اور سماجی زندگی میں ایک انقلاب تھا، جب کہ ہر طرف انارکی اور فساد پھیلا ہوا تھا''۔

(The Life of Muhammad, P.83)

عدل اجتماعی دور جدید کی اصطلاح ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق عدل اجتماعی کا معنی ہے:

"Justice in term of the distribution of wealth, opportunities and privileges within a society."

یعنی ''ایک معاشرے میں دولت، مواقع اور حقوق کی عادلانہ تقسیم''۔

Collins Dictionary میں سوشل جسٹس کی درج ذیل تعریف بیان کی گئی ہے:

"The principle that all members of society have equal rights and opportunities".

''یہ اصول کہ معاشرے کے ہر فرد کو یکساں حقوق اور مواقع حاصل ہیں''۔

درج بالا تعریفات عدل اجتماعی کا ناقص تصور پیش کرتی ہیں۔ جنہیں صرف اسلام فراہم کرتا ہے۔ حقوق، مواقع اور منصفانہ دولت کی تقسیم سے عدل اجتماعی کا مکمل قیام ممکن نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے چند مزید بنیادوں کی ضرورت ہے۔

اسلام میں عدل اجتماعی کی بنیادیں:

اسلامی عدل اجتماعی کی بنیادیں تین ہیں:

۱۔ عقیدہ و فکر کی آزادی

۲۔ مساوات

۳۔ اجتماعی کفالت

اسلامی عدل اجتماعی کی مذکورہ بالا بنیادوں پر سب سے پہلے عمل میثاق مدینہ کے ذریعے ہوا، جس میں معاشرے کے تمام طبقات کو یکساں حقوق عطا کیے گئے، سب کی یکساں ذمہ داریاں متعین کی گئیں، عقیدے اور فکر کی مکمل آزادی دی گئی اور سماج کے کمزور افراد کی کفالت سب کی ذمہ داری قرار پائی۔ ۶۳ دفعات پر مشتمل یہ قانونی دستاویز اس طرح سے دنیا کا پہلا تحریری دستور بنا۔

۱۔ عقیدہ و مذہب کی آزادی:

عدالت اجتماعی کا قیام اس وقت تک محال ہے جب تک کہ انسانوں کو دنیا کی ہر قسم کی غلامی سے آزاد نہ کرالیا جائے اور انہیں اپنی خواہش کے مطابق کسی بھی عقیدے اور فکر کو اختیار کرنے کی آزادی حاصل ہو جائے۔ اسلام انسانوں کو ہر طرح کے غیر اللہ کی غلامی سے نکالتا ہے اور آزادی کی فضاء میں لا کر الٰہی ہدایات اس کے سامنے رکھ دیتا ہے، پھر اس کو اختیار دیتا ہے کہ وہ چاہے اسے قبول کرے یا رد کردے۔ قبول کرنے کی صورت میں دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوگی اور رد کرنے کی صورت میں ایسا نہیں ہے کہ اسکو اپنے اجتماعی حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو وہ تمام حقوق ملیں گے جو اسلامی ریاست میں اہل اسلام کو ملتے ہیں۔

میثاق مدینہ میں دفعہ ۳۶ کے تحت مذہبی آزادی کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے:

''اور بنی عوف کے یہودی، مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودیوں کے لیے ان کا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین، موالی ہوں یا اصل۔ ہاں! جو ظلم کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا''۔

یہ مذہبی آزادی صرف کسی ایک ہی گروپ کو نہیں ملی، بلکہ دفعہ ۳۱ تا ۴۰ تک ریاست مدینہ میں آباد یہودی قبائل بشمول بنی نجار، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی الاوس، بنی ثعلبہ، بنی شطیبہ وغیرہ تمام کا تذکرہ الگ الگ کیا گیا ہے اور لکھا گیا کہ ان تمام کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی، نیز یہ بھی واضح کیا گیا کہ ان یہودی قبائل کی ذیلی شاخوں اور انکے موالی کو بھی مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ تاہم اقلیتوں کو اتنی واضح مذہبی آزادی عطاء کیے جانے پر صرف ایک بنیادی شرط کا پابند کیا گیا کہ وہ دستور کی پابندی کریں گے۔

''ان سے وفاشعاری نہ کہ عہد شکنی کی توقع کی جاتی ہے''۔

غالب قوتوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ جہاں بھی غلبہ پاتی ہیں وہاں نہ صرف اپنے افکار ونظریات بلکہ اپنے رسوم ورواج کو بھی تھوپتی ہیں اور مختلف پالیسیوں کے تحت مقامی آبادی کو اپنے رنگ میں رنگنے کی مختلف قسم کے حربے اپناتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ میثاق مدینہ میں نہ صرف مذہبی آزادی کا خیال رکھتے ہیں بلکہ اس دستور کے آرٹیکل ۵ تا ۱۲ میں اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ مہاجرین قریش، بنی عوف، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنو جشم، بنو نجار بنو نبیت اور بنو اوس خوں بہا کی ادائیگی کے لیے اپنے قبائلی قوانین کی پابندی کریں گے۔

مساوات:

اسلامی حکومت کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔ ایک شہری ہونے کے ناطے تمام لوگوں کے حقوق وفرائض یکساں ہوتے ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ ریاست کی ترقی میں تمام شہری اپنا کردار ادا کریں گے۔ اسلام ان تمام عناصر عصبیت سے برائت کا اظہار کرتا ہے جن پر اسلام سے پہلے قبائلی وملکی زندگی چل رہی تھی اور آج بھی ان تعصبات سے پاک ہے جن کی بنیاد پر گورے امریکی سیاہ فام لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، یہودی اور براہمن اپنے علاوہ دنیا کے دیگر لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں، سرحدی لائنوں کی بنیاد پر اخلاقیات بدل جاتی ہیں، گویا اسلامی مساوات کی بنیاد صرف انسانیت ہے۔ ''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی''۔

(بنی اسرائیل: ۷۰)

میثاق مدینہ کے تحت تمام شہری اور قبائل ایک امت قرار پائے۔ چنانچہ آرٹیکل ۳ کے تحت تمام دنیا کے لوگوں کے مقابل میثاق مدینہ میں شریک فریقوں کو ایک وحدت قرار دیا گیا:

''یہ سب ایک امت ہیں''۔

میثاق مدینہ کی اس اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر طاہر القادری اس دفعہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''مملکت کے اندر دینی اور مذہبی وحدت کے علاوہ موجود دیگر اکائیوں کو ایک جاندار ریاستی کردار عطاء کرنے کے لئے ضروری تھا کہ انہیں بھی ایک ایسا باوقار سیاسی وریاستی مقام دیا جاتا کہ وہ بھی اپنے آپ کو ایک فعال عضو تصور کرتے ہوئے ایک ذمہ دار کردار ادا کریں۔ اس لیے وہ تمام فریق جن کے درمیان میثاق مدینہ طے پایا اور انکی اتباع میں مستقبل میں اس میثاق میں شریک ہونے والے فریقوں کو میثاق مدینہ کے تحت وحدت قرار دیا گیا''۔

(میثاق مدینہ کا آئینی تجزیہ، ص ۶۸)

دستور مدینہ کے تحت تمام گروہوں، قبائل اور افراد کی جان و مال کی یکساں حفاظت کی ضمانت دی گئی:

''اور یہودیوں میں سے جو ہماری (ریاست مدینہ) اتباع کرے گا اس کو مدد اور مساوات حاصل ہوگی، جب تک وہ اہل ایمان پر ظلم کا مرتکب نہ ہو یا انکے خلاف مدد نہ کرے''۔ (دفعہ ۲۰)

''اور جو جنگ کے لئے نکلے اور جو نہ نکلے، دونوں امن کے مستحق ہونگے سوائے اس کے جو ظلم اور قانون شکنی کا مرتکب ہو''۔ (دفعہ ۶۲)

رسول اکرم ﷺ کی مدینہ آمد کے بعد خارجی حملوں کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا حتی کہ صحابہ ہر وقت مسلح ہوتے تھے چنانچہ دستور مدینہ میں یکساں مذہبی، فکری آزادی اور جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دیے جانے کے بعد ریاست کی بقا اور تحفظ کی ذمہ داری بھی یکساں طور پر عائد کی گئی۔ جنگ ہونے کی صورت میں خرچ کی ذمہ داری ہر فریق پر یکساں عائد کی گئی۔

''اور جنگ کی صورت میں یہود اپنا خرچ برداشت کریں گے اور مسلمان اپنا خرچ برداشت کریں گے'' (دفعہ ۴۷)

نیز جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد لازمی ہوگی۔ (دفعہ ۴۵)

جنگ ہونے کی صورت میں سب کو اپنے

سمت کی مدافعت کرنی ہوگی۔(دفعہ ۵۷)

خارجی حملوں سے مدینے کی حفاظت کی یکساں ذمہ داری تقسیم کیے جانے کے بعد ضروری تھا کہ اس ترقی پذیر ریاست کی حفاظت اور امن و امان کو بھی یقینی بنا دیا جائے تاکہ عدل اجتماعی کے تصور پر قائم یہ ریاست امن کا گہوارہ بن سکے۔ چنانچہ دفعہ ۴۹ کے تحت ریاست میں باہمی خون خرابے اور جنگ کو حرام قرار دے دیا گیا:

''اس میثاق کے ماننے والے آپس میں خون خرابہ اور جنگ نہیں کریں گے۔''

۳۔ اجتماعی کفالت:

کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک مضبوط و مستحکم نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس معاشرے میں مضبوط اجتماعی کفالت کا نظام نہ ہو۔ موجودہ دور کے نظاموں نے اپنے قوانین میں مذہبی آزادی دینے اور مساوات کے نام پر چند چیزوں کے لیے راستہ تو کھولا ہے لیکن اجتماعی کفالت کا کوئی نظام پیش کرنے سے ہنوز قاصر ہے کیونکہ یہ سارے نظام ہائے حکومت مادہ پرست اور ملحدانہ افکار و خیالات کا نتیجہ ہیں جو کسی قسم کی اجتماعی اخلاقیات پیدا کرنے میں ناکام ہی رہیں گے۔

اسلام صرف فکر و عقیدہ کی آزادی اور مساوات انسانی پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنے شہریوں کو مضبوط کفالت کا ایک ایسا نظام بھی فراہم کرتا ہے کہ جس کے بغیر عدل اجتماعی اپنی مکمل شکل میں قائم نہیں ہوسکتا۔

کفالت کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ انسان خود اپنی ذات کے لیے متاعِ دنیا کو اس طرح حاصل کرے کہ اس کی فطرت میں فساد نہ پیدا ہو۔

''اور جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں آخرت کا حصہ چاہو اور دنیا کا اپنا حصہ بھول نہ جاؤ'' (القصص:۷۷)

''اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو اور کھاؤ پیو البتہ اسراف نہ کرو'' (الاعراف:۳۱)

کفالت کی دوسری شکل اپنی ذات اور خاندان ہے، جو والدین کے حقوق سے شروع ہو کر تمام رشتہ داروں تک پھیل جاتی ہے۔

کفالت کی تیسری اہم شکل اجتماعی مصالح کی بنیاد پر باہمی تعاون ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو البتہ گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو'' (المائدۃ:۲)

غریبوں، ناداروں اور فقیروں کی کفالت سماج کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے چنانچہ زکوۃ کا پورا نظام قائم کیا گیا ہے، جس کے ذریعے سماج کے کمزور ترین افراد کی مدد کی جاتی ہے اور پھر یہ کہ امت مسلمہ ایک جسد واحد ہونے ناطے اس کے افراد نہ صرف اپنے کمزور افراد کا تعاون اور کفالت کرتے ہیں بلکہ تمام انسانیت کی خدمت بھی اُن کے کندھوں پر ہوتی ہے۔

ایک خوشحال ریاست کی بقاء و ترقی باہمی تعاون و کفالت پر منحصر ہے۔ اہل ثروت اگر کمزوروں اور حاجت مندوں کی مدد اپنی ذمہ داری نہ سمجھیں تو اجتماعی عدل کا تصور کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ میثاق مدینہ کی دفعہ ۱۳ اور ۱۴ میں اہل ایمان کی ذمہ داری بتاتے ہوئے کہا گیا ہے:

''اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے شخص کی مدد کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے''۔

میثاق مدینہ کے نفاذ کے چند مہینوں بعد ہی زکوۃ اور دیگر سماجی احکام نازل ہونا شروع ہو گئے اور میثاق مدینہ کے ذریعے دیا گیا عدل اجتماعی کا تصور جلد ہی عملی دنیا میں چلتا پھرتا نمونہ بن گیا، اس سماج میں ہر مذہب و عقیدہ کو آزادی ملی، حقیقی عدل و مساوات قائم ہوا اور معاشرے میں ایک مضبوط باہمی کفالت کا ایک مثالی نظام دنیا کے سامنے آیا جس کی برکتوں سے آج بھی فائدہ اٹھانے والے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

خلاصۂ بحث:

نبی رحمت ﷺ کی آمد سے قبل کسی ملک یا سماج میں اسکا اکثریتی یا طاقت ور طبقہ سیاہ و سفید کا مالک ہوتا تھا۔ اقلیتوں کی حیثیت غلاموں جیسی ہوتی تھی اور طاقتور طبقہ کمزور طبقات پر ظلم کرتا تھا لیکن مدینہ میں جب اسلام ایک ریاست کی شکل میں دنیا کے سامنے آیا اور رسول اکرم ﷺ اس کے حاکم تسلیم کر لیے گئے تو تاریخ میں پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ ریاست کے تمام طبقات حقیقی عدل اجتماعی کے تصور سے آشنا ہوئے۔ اس ریاست میں مسلمانوں کے غالب ہونے کے باوجود تمام طبقات دستوری طور پر برابر قرار پائے، انہیں مذہبی آزادی اور مساوات عطاء کی گئی اجتماعی کفالت کے نظام کو نافذ کر کے ریاست مدینہ کو ایک آئیڈیل ریاست میں بدل دیا گیا اور عملی طور پر ''سماجی انصاف'' ریاست کی روح بن گئی۔

موجودہ گلوبل دنیا میں آبادیوں کی منتقلی

(بقیہ صفحہ 31 پر)

آخری قسط

ویدکیسے وجود میں آئے؟

سید حامد علی

اب آیئے! دورِ جدید کے ہندو علماء محققین کی کچھ تحقیقات پر بھی غور کرتے چلیں۔ سوامی وویکانند نہ صرف یہ کہ ہندومت کے بہت بڑے محقق بلکہ مغربی ممالک میں اس کے بہت بڑے مبلغ بھی تھے۔ ان کی خدمات کی یادگار میں راس کماری پر ایک عظیم عبادت گاہ قائم کی گئی ہے اور پورے ملک سے اس کے لئے چندہ حاصل کیا گیا ہے۔ سوامی وویکانند ''ہندومت کی مشترک بنیادیں'' Hinduism: Its Common Bases میں فرماتے ہیں:

''غالباً ہم سب جو یہاں موجود ہیں، اس پہلے نقطے پر اتفاق کریں گے ہم سب ویدوں پر یقین رکھتے اور انہیں مذہبی اسرار رموز کی ازلی وابدی تعلیمات باور کرتے ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ اس مقدس لٹریچر کا کوئی آغاز ہے اور نہ کوئی انجام، یہ فطرت کا ہم عصر ہے، جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء۔''

ویدوں پر اس غیر متزلزل ایمان ویقین کے باوجود سوامی وویکانند اپنے ایک مقالے ''Hinduism of The Vedas'' (ویدوں کا ہندومت) میں فرماتے ہیں:

''ویدوں کے بالکل آغاز ہی میں ہم بہت ہی نرالا تصور پاتے ہیں۔ یہ منتر بہت سے دیوتاؤں کی تعریف میں گائے گئے ہیں۔۔۔ وَرُن کے معاملے میں ایک اور تصور بھی موجود ہے جو آیا لیکن آرین ذہن نے اُسے فوراً دبا دیا یعنی خوف کا تصور، دوسری جگہ ہم پڑھتے ہیں کہ وہ خائف ہیں کہ انہوں نے گناہ کیا ہے، اور وہ وَرُن سے معافی کے خواستگار ہیں۔ اِن تصورات کو ان اسباب کے تحت جنہیں آپ بعد میں سمجھیں گے، ہندوستانی سرزمین پر پنپنے کی کبھی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ تصور جیسا کہ آپ جانتے ہیں، توحید کا تصور ہے۔ یہ تصور توحید، ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں بالکل ابتدائی دَور میں آیا۔ ویدسمہتاؤں کے اولین اوقدیم ترین حصے میں یہ موحدانہ نقطۂ نظر پایا جاتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تصور آریوں کے لئے تشفی بخش ثابت نہ ہوا۔ انہوں نے اسے ایک ابتدائی تصور سمجھ کر، جیسا کہ وہ فی الواقع ہے، ایک طرف پھینک دیا اور آگے بڑھ گئے۔۔۔ یہ تصور آریوں کے نزدیک غیر مفید اور فلسفیوں اور منکروں کے نزدیک ناقابل قرار پایا اور انہوں نے اس بات کے لئے سخت جدوجہد کی کہ زیادہ فلسفیانہ اور کامل ماورائی تصور پاسکیں۔ (Hinduism, P.19-24)

اس عبارت کو بار بار پڑھیے۔ کیا یہ اس مفہوم میں صریح نہیں ہے کہ ویدکی تعلیمات خدائی والہامی ہونے کے بجائے انسانی فکر کا نتیجہ ہیں؟ کیا اس میں صراحتاً یہ بات نہیں ہے کہ ویدوں کے اوّلین حصے میں توحید کا جو تصور موجود ہے، وہ ابتدائی دور کی فکر ہے اور وہ غیر مفید، غیر تشفی بخش، ناقابل قبول اور ناقابل برداشت ہے؟ چناں چہ آریوں نے اسے پھینک دیا، اس سے بہتر تصور کی تلاش میں لگ گئے اور اس کے لئے انہوں نے سخت جدوجہد کی۔ یہ سب کیا ہے؟ انسانی فکر اور اس کے ارتقاء کے مختلف مراحل!

گزشتہ صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اُپنشد ویدوں ہی کا حصہ ہیں۔ سوامی وویکانند اُپنشدوں کے فلسفے کی تشریح کرتے ہوئے، ''ہندومت کے فلسفہ'' میں فرماتے ہیں:

''ہندوستانی مذاہب عجیب وغریب ابتداء اختیار کرتے ہیں۔۔۔ اوّلین مرحلے میں تخلیق کا نظریہ سامنے آتا ہے۔۔۔ اگلے مرحلے میں اس

نظریے پر اعتراض ہو جاتا ہے کہ عدم سے وجود کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟ فطری طور پر یہ نظریہ کہ کائنات عدم محض سے پیدا کی گئی ہے، رد کر دیا گیا اور کچھ مواد جس سے کائنات بنی ہو، تلاش کیا جانے لگا۔۔۔ایک حل یہ سامنے آیا کہ فطرت خدا، اور رُوح تینوں ازلی وابدی ہیں۔(جیسا کہ سوامی دیانند سرسوتی اور آریہ سماج کہتے ہیں) ۔۔۔ کائنات کا ایک ہی فرماں روا ہے اور وہ خدا ہے، کوئی شخص خدا نہیں بن سکتا۔۔۔ثنویت (دوئیت واد) کے قائل اس بات کے معتقد ہیں کہ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تم خدا ہو تو یہ کلمۂ کفر ہے ۔۔۔ اس کے بعد اس سے اونچا ویدانتی فلسفہ آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔اگر تم کہتے ہو کہ خدا ہے جو لامحدود ہستی ہے، رُوح ہے اور وہ بھی لامحدود ہے اور فطرت بھی لامحدود ہے تو تم لامحدودیوں کو بغیر کسی تحدید کے بڑھائے جاؤ گے۔(واقعہ یہ ہے کہ ازلی وابدی وجود تین نہیں رہے بلکہ ان میں اضافہ ہوتا رہا) اور یہ صراحتاً مہمل ہے، تم اس طرح ساری منطق کو ختم کر دو گے۔۔۔دوسرا نظریہ یہ کہتا ہے کہ خدا، فطرت اور رُوح تینوں ہیں، لیکن رُوح اور فطرت خدا کی باڈی کی تشکیل کرتے ہیں، اس طرح یہ تینوں ایک وحدت کی تعمیر کرتے ہیں۔۔۔اسے ''محدود وحدت الوجود'' کہتے ہیں ۔۔۔سب سے آخر میں وحدت الوجودی آتے ہیں ۔۔۔اب بہت عمدہ سوال اُبھرتا ہے: اگر خدا کائنات بن جاتا ہے تو آپ اور یہ تمام چیزیں خدا ہیں۔۔۔کیا خدا کروڑوں روحوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔۔۔اور وہ کائنات بن گیا تو وہ تغیر پذیر ہے ۔۔۔اور جو تغیر پذیر ہے۔ وہ پیدا ہوتا اور مرتا ہے ۔۔۔تو وحدت الوجودی (اوویّت وادی) کہتے ہیں، کائنات سرے سے موجود ہی نہیں ہے، یہ سب فریب ہے، یہ دیو، دیوتا، فرشتے، تمام وہ چیزیں جو پیدا ہوتی ہے اور مرتی ہیں، روحوں کی یہ لامحدود تعداد جو آتی اور جاتی ہے، یہ سب خواب ہے کوئی جیو (روح) موجود نہیں ہے۔۔۔ایک لامحدود ہستی موجود ہے۔۔۔(یہ ساری دنیا خواب ہے) لیکن خواب بغیر کچھ نہ کچھ حقیقت کے نہیں ہو سکتا اور حقیقت وہی ایک لامحدود ہستی ہے۔تم ایک جسم، ایک ذہن یا ایک روح کے اعتبار سے خواب ہو، لیکن تم حقیقتاً وجود ہو، گیان ہو، آنند ہو، تم کائنات کے خدا ہو، تم پوری کائنات کو پیدا کر رہے ہو۔۔۔یہ تمام پیدائش اور آواگون، یہ آنا جانا، یہ سب مایا (جہالت) کا فریب ہے ۔ یہ ہے ادوئیت ویدانتی فلسفہ

(Hinduism, P.61-74)

اس اقتباس سے جہاں اُپنشد کے مختلف و متضاد فلسفے سامنے آتے ہیں، وہیں یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اُپنشد کی تعلیمات الہامی ہونے کے بجائے فکر انسانی کا نتیجہ ہیں۔

ہندومت کے ایک محقق ڈاکٹر رادھا کرشنن فرماتے ہیں:

''جب ہم رِگ وید اور یجروید کے دَور سے گزرتے ہیں تو ہم نسبتاً زیادہ مضبوط بنیاد پر ہوتے ہیں۔ ہم اُن میں مختلف ادیان کے مابین تصادم اور اُن کی آخری مصالحت کی صدائے بازگشت پاتے ہیں۔ بہرحال ویدک دھرم نے قدیم مذاہب کے مراسم عبودیت اور طور طریق کو اپنے اندر جذب کر کے انہیں محفوظ کر لیا۔۔۔ویدک دھرم نے دراوڑوں اور ہندوستان کے دوسرے قدیم باشندوں کی سماجی زندگی سے اتنا زیادہ اخذ کیا ہے کہ اصل آرین عناصر کو دوسرے عناصر سے الگ کرنا سخت مشکل ہے۔''

(Eastern Religions And Western Thought. P.307)

یہ اقتباس بتاتا ہے کہ ویدک دھرم دراوڑوں کے مذہب کے بعد وجود میں آیا اور ویدوں نے دراوڑوں اور ہندوستان کے دوسرے قدیم باشندوں کے خیالات کو اپنے اندر بہت کچھ جذب کیا۔ یہ انسانی افکار و خیالات کا باہم لین دین ہے، وحی الہام سے اس کا کیا تعلق!

سب سے آخر میں ہم آریہ سماج فرقے کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کے خیالات درج کرتے ہیں، ستیارتھ پرکاش کے ساتویں باب میں وہ فرماتے ہیں:

''سوال: کن کی آتما میں وید کب ظاہر ہوئے۔

جواب:

آغاز تخلیق کے وقت پرماتما نے اگنی، وایو، آدیتہ اور انگر، ان رشیوں کی آتما میں ایک ایک وید ظاہر کیا''

(ستیارتھ پرکاش، ہندی ایڈیشن: صفحہ ۱۸۹)

سوامی دیانند سرسوتی نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے، اس میں صرف تین ویدوں کا رگ وید، یجروید اور سام وید کا، اور تین ہستیوں اگنی، وایو اور سوریہ کا ذکر ہے، چوتھے وید کا اور انگرہ کا ذکر نہیں، نہ یہ صراحت ہے کہ ہستیاں رشی ہیں۔ ویدک دیومالا کو جاننے والے اصحاب جانتے ہیں کہ ویدوں کی رو سے اگنی عالم ارضی کا، وایو وسطی دنیا کا اور سوریہ عالم علوی کا سردار دیوتا ہے اور وید انہیں دیوتاؤں سے ظاہر

ہوئے تھے نہ کہ اس نام کے کچھ رشیوں سے۔

اس عبارت سے آگے اُپنشد کی ایک عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں:

''یہ اُپنشد کا کہنا ہے، اُپنشد کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وید برہماجی کے دل میں ظاہر کئے گئے ہیں، پھر آپ نے یہ کیوں کہا کہ وید اگنی وغیرہ رشیوں پر ظاہر کیے گئے ہیں۔

جواب: برہماجی کی رُوح میں اگنی وغیرہ ہستیوں کے ذریعہ وید قائم کرائے، دیکھو، منو نے کیا لکھا ہے (منوسمرتی ادھیائے ۱ کا ۲۳واں شلوک ثبوت میں پیش کیا ہے)۔۔۔جس پر ماتما نے آغازِ تخلیق میں انسانوں کو پیدا کر کے اگنی وغیرہ چاروں مہرشیوں کے ذریعے چاروں وید برہما کو حاصل کرائے اور اس برہما نے اگنی، وایو، آدیتہ اور انگر سے رِگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھر وید حاصل کیے (صفحہ ۱۸۹)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ منوسمرتی کے اُردو ترجمہ میں جو ایک ہندو ودوان کا کیا ہوا ہے اور نولکشور پریس، لکھنو سے چھپا ہوا ہے منوسمرتی کی محولہ بالا عبارت کا ترجمہ یوں ہے۔

''پھر یگیہ کے سِدّھ (درست) ہونے کے لئے (برہمانے) اگنی سے رگ وید، وایو سے یجر وید اور سورج سے سام وید نکالا۔''

اس ترجمہ سے سوامی کے خیال کی تردید ہوتی ہے۔ سوامی جی آگے فرماتے ہیں:

''سوال:- کسی دیش بھاشا میں ویدوں کو ظاہر کرنے کے بجائے سنسکرت میں کیوں ظاہر کیا؟

جواب: ملک کی کسی زبان میں ظاہر کرتا تو ایشور جانب دار قرار پاتا کیوں کہ جس دیش کی بھاشا میں انہیں ظاہر کرتا اس دیش والوں کو سہولت اور دوسرے ملک والوں کو دقّت ہوتی۔ اس لئے سنسکرت میں انہیں ظاہر کیا جو کسی ملک کی زبان نہیں اور سب زبانوں کی بنیاد ہے۔'' (صفحہ ۱۸۹)

گویا سنسکرت ہندوستان سمیت کسی ملک کی بھی زبان نہ تھی اور عوام وخواص میں سے کوئی بھی اُسے جانتا نہ تھا۔ پھر ویدکس طرح سمجھے گئے۔ سوامی جی فرماتے ہے۔

''سوال: وید سنسکرت بھاشا میں ظاہر ہوئے اور اگنی وغیرہ رشی لوگ سنسکرت زبان کو نہیں جانتے تھے، پھر ویدوں کا مطلب انہوں نے کیسے جانا؟

جواب: پرمیشور نے بتایا اور دھرماتما یوگی مہرشی لوگ جب جب اور جس جس (منتر) کا مطلب جاننے کی خواہش کر کے پرمیشور کا دھیان اور مراقبہ کرتے تب پرماتما انہیں منتروں کا مطلب بتاتے تھے۔ جب بہتوں کی آتما میں ویدوں کا مطلب ظاہر ہوا تو رشی منیوں نے منتروں کے مطلب اور رشیوں کے اتہاس سے بھرے ہوئے گرنتھ بنائے اور برمھ کا علم اور ویدوں کی شرح ہونے کی وجہ سے اُن کا نام براہمن ہوا۔'' (صفحہ ۱۹۱)

اس اقتباس سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ وید جب ظاہر ہوئے، چیستاں تھے، الہام سے ___ نہ کہ زبان، گرامر اور ادب کے ذریعے ___ ان کا علم حاصل ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ شرح ___ براہمن۔ کے بغیر وید آج بھی چیستاں ہی ہیں۔'' دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ویدوں کے جاننے سے پہلے ایسے خدا رسیدہ لوگ موجود تھے جو خدا کا مراقبہ کر کے اس سے علم حاصل کر سکتے تھے اور تیسری بات یہ کہ براہمن ویدوں کی شرح ہے جو سنسکرت نہ جاننے والے رشیوں پر الہام ہوئی تھی۔ گویا براہمن کی تعلیمات بھی خدا کی طرف سے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہندومت کی تمام مقدس کتابوں کی طرح براہمن بھی سنسکرت ہی میں ہیں۔

●●●

(بقیہ عدل اجتماعی، میثاق مدینہ کے تناظر میں)

نے عدل اجتماعی کو ایک لازمی ضرورت بنا دیا ہے۔ ہر ملک میں ہر مذہب اور عقیدے کے ماننے والے افراد بستے ہیں چنانچہ ریاست کو چلانے اور ترقی یافتہ بنانے میں تمام افراد کے کردار کو یقینی بنانے کے لیے وہاں پر عدل اجتماعی ایک لازمی ضرورت ہوگی۔ اس سلسلے میں میثاق مدینہ انتہائی اہم رول ادا کر سکتا ہے۔ البتہ تاریخی حقائق اور اب تک کے تجربات کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حقیقی عدل یا سماجی انصاف کا قیام اسی وقت ممکن ہے جب ریاست کی باگ ڈور مادہ پرست ملحدانہ افکار ونظریات کے ماننے والوں کے بجائے خوف خدا اور احساس جوابدہی کے حامل افراد کے ہاتھوں میں ہو کیوں کہ خوف خدا اور خوف آخرت ہی کسی حاکم کو عدل کے قیام پر مجبور کر سکتا ہے ورنہ خوف خدا سے عاری افراد سماج میں طبقاتی کشمکش پیدا کر کے صرف اپنے سیاسی مقاصد پورا کرتے ہیں اور معاشرے تباہ در تباہ ہوتے جاتے ہیں۔

قسط اول

غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خواتین کی شرکت

(ایک تجزیاتی مطالعہ)

محمد یٰسین مظہر صدیقی

عہد نبوی ﷺ کے اجتماعی اور قومی معاملات میں سے ایک جہادی سرگرمی تھی۔ مدنی عہد کے بیشتر اوقات پر اسی کا سایہ چھایا رہا تھا۔ اس دس سالہ دورِ اجتماعیت میں رسول اکرم ﷺ کو مختلف عرب قبائل اور یہودی و نصرانی طاقتوں کے خلاف طاقت استعمال کرنی پڑی۔ اس لیے مورخین اسلام اور سیرت نگارانِ نبوی کے مطابق ستائیس غزوات اور ساٹھ کے قریب سرایا (مہمیں) پیش آئیں۔ سردست ان کی تاریخ سے بحث ہے نہ ان کی تفصیلات سے اور نہ اس نکتہ سے کہ وہ تمام مہمیں فوجی تھیں، جارحانہ جنگیں تھیں یا مدافعانہ کوششیں۔ ہماری موجودہ بحث ان غزوات و مہمات نبوی میں خواتین اسلام کی جہادی شرکت و معاونت تک ہی محدود ہے۔

روایات سوانح، آثار سیرت اور احادیث نبوی ﷺ بتاتی ہیں کہ اول روزِ جہاد سے مسلم خواتین اور صحابیاتِ عصر میں روحِ جہاد موجود تھی۔ وہ اپنے مردوں کی طرح اسلامی خدمت، کلمۂ الٰہی کی بلندی اور دین و معاشرے کی مدافعت کے لیے تلوار اٹھا سکتی تھیں اور اپنے مجاہدوں کی خدمت کر سکتی تھیں۔ اگرچہ میدان جنگ میں جانا ان کے لیے فرض نہ تھا کہ جہاد و قتال اسلامی شریعت میں صرف مردانہ کام ہے۔ اس کے باوجود رسولِ اکرم ﷺ نے متعدد خواتین اسلام کو مختلف غزوات و مہمات میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس اِذنِ نبوی سے ایک سنت اسلامی وجود میں آئی کہ ضرورت پڑنے پر اور موقعہ و محل کے لحاظ سے جہاد میں عورتوں کو شرکت کی اجازت ہے۔

عام عرب روایات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خواتین اپنے جنگجوؤں کے ساتھ لشکروں میں مختلف مقاصد سے شریک ہوا کرتی تھیں۔ زخمیوں کی دیکھ بھال، ان کا علاج معالجہ، نقل و حمل میں اعانت، سامان رسد کی فراہمی اور دوسری رفاہی خدمات ان مقاصد میں شامل تھیں۔ خواتین کی میدانِ جنگ اور اس سے پہلے فوج میں موجودگی مجاہدوں، جنگجوؤں اور سورماؤں کا حوصلہ بڑھاتی تھی اور ان کی مردانگی جگاتی تھی۔ غزوات احد و حنین میں مخالف لشکروں میں قریشی اور ہوازنی سورما بالترتیب اپنی چیدہ اور تمام خواتین کو میدان جنگ میں اس لیے لائے تھے کہ ان کے قدم وقتِ ابتلاء میں نہ اکھڑیں اور وہ مشکل حالات میں بھی جمے اور ڈٹے رہیں، جان دے دیں مگر بزدلی سے فرار کا راستہ نہ پکڑیں۔ اسلامی لشکروں میں ان مقاصد سے اعلیٰ اور برتر مقصد ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اعلائے کلمتہ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں ان کا بھی حصہ رہے۔ اسلامی اجتماعیت اور جہادی خدمت کے تقاضوں نے بھی خواتینِ اسلام کے ایک طبقہ کو غزوات میں حصہ لینے کے لیے آمادہ کیا تھا اور رسول اکرم ﷺ نے ان کو مختلف غزوات میں خدمات ادا کرنے کی بہ خوشی اجازت دی تھی۔ یہی مطالعہ اس مقالہ کا مقصود ہے۔

نبوی غزوات میں مجاہدات اسلام کی شرکت و خدمت کا مطالعہ مختلف طریقوں اور زاویوں سے کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے دو بہتر معلوم ہوتے ہیں: ایک انفرادی شخصیات کے حوالے سے کہ کس خاتون اسلام نے کس کس غزوہ یا جہاد میں حصہ لیا۔ دوسرے غزوات کے اعتبار سے کہ کس کس غزوہ میں کون کون سی خواتین عصر اور صحابیاتِ رسول اللہ ﷺ نے شرکت کی تھی۔ دوسرا طریقہ بحث ہی زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شرکتِ خواتین کی کامل صورت گری کی جاسکتی ہے اور جہاں جہاں ضرورت ہوگی وہاں وہاں مجاہدات اسلام کی انفرادی مساعی اور مجاہدوں کا ذکر بھی کیا جائے گا۔

۱۔ غزوۂ بدر ۲ھ/۶۲۴ء:

غزوۂ بدر میں خواتین کی شرکت کا ذکر بالعموم نہیں ملتا اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ان کی شرکت اس

غزوہ میں نہیں ہوئی تھی۔لیکن ایک روایت ایسی ملتی ہے جو اس غزوۂ اکبر کے ایک بہت اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہے اور قرآن مجید کی ایک آیت کریمہ کے مطابق ہے: حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث، خزرج کے خاندان بنو مالک بن النجار کی ایک عظیم خاتون تھیں۔اسلام لانے اور بیعت کرنے کے علاوہ قرآن کی جامع بھی تھیں:

"وکانت قد جمعت القرآن"۔

غزوہ بدر سے قبل انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی تھی کہ "مجھے غزوہ میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ آپ کے زخمیوں کی دوا کریں اور بیماروں کی تیمار داری کریں اور شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمادے۔" رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: "بے شک اللہ تعالیٰ تم کو شہادت عطا فرمانے والا ہے اور آپ ﷺ نے ان کا نام ہی "شہیدہ" رکھا تھا:

"وکان رسول اللہ ﷺ حین غزا بدر اقالت لہ: تاذن لی فاخرج معک، اداوی جرحاکم، وامرض مرضاکم، لعل اللہ یھدی لی شھادۃ قال: ان اللہ مھدلک شھادۃ، فکان یسمیھا الشھیدۃ۔"

(ابن سعد، ۸/ ۴۵۷؛ اسد الغابۃ، ۵/ ۴۸۹)

عہد فاروقی میں ان کو ان کے غلام و باندی نے قتل کر کے ان کو شہادت کے درجہ پر فائز کر دیا تھا اور بقول حضرت عمرؓ قول نبوی کی اس طرح تصدیق ہوگئی۔

بعض بدوی خواتین اور دیہاتی عورتوں کی شرکت برائے رفاہی خدمات کا ذکر دوسری روایات میں بھی آتا ہے۔مثال کے طور پر ایک روایت میں دو کنیزوں یا خادماؤں کے لڑائی جھگڑے کا حوالہ جنگ سے پہلے ملتا ہے۔ایک دوسری کی مقروض تھی، قرض خواہ قرض کی ادائیگی پر اصرار کر رہی تھی۔مقروض نے کہا کہ تھوڑا صبر اور انتظار کرو۔لشکر قریش وفوج مدینہ آرہی ہیں۔میں ان میں کام کر کے اجرت پر کچھ کماؤں گی اور تمہارا قرض اتاروں گی۔بہر حال، اس کا امکان ہے کہ جنگ کے زمانے میں قرب و جوار کی خواتین نے مختلف نوعیت کے کام انجام دیے ہوں اور اس طرح شرکت کی ہو۔زخمیوں کی دیکھ بھال اور فوجیوں کی خدمت وغیرہ کے کام بدوی خواتین کے انجام دینے سے یکسر انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(جہات الاسلام (سیرت نمبر)؛ جلد ۴، شمارہ ۱، ۲)

نعیم صدیقی

اے میرے نبی صدق وصفا!

اے میرے نبیؐ صدق وصفا، جب دل پہ شب غم چھاتی ہے
اور دل کی شب غم میں کوئی جب برق بلا لہراتی ہے
اور برق بلا جب بن کے گھٹا باران شرر برساتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!
اے میرے نبی صدق وصفا!

جب چاندی کے بت خانوں میں انساں کے لہو کی بھینٹ چڑھے
نشہ ہو مہنتوں پر طاری، ہر بت کا قد کچھ اور بڑھے
ان بت خانوں میں چیخ کوئی جب گونج کے دل دہلاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!
اے میرے نبی صدق وصفا!

بن باپ کے عاجز بچے جب افلاس کے گھر میں پلتے ہیں
اور ان کے افسردہ چہرے جب پیٹ کی آگ میں جلتے ہیں
کچھ جھوٹی امیدوں سے ان کو جب بیوہ ماں بہلاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!
اے میرے نبی صدق وصفا!

جب تخت بچھاتے ہیں اپنا، نمرود نئے، شداد نئے
شمشیریں جب لہراتے ہیں، مقتل میں کھڑے جلاد نئے
نازک سے ضمیر انساں پر سل جبر کی جب لد جاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!
اے میرے نبی صدق وصفا!

ماحول کی چکی میں پڑ کر جذبات مرے جب پستے ہیں
ایمان کو چوٹیں لگتی ہیں، جب زخم تمنا رستے ہیں
صد ہا فتنوں کے گھیرے میں جب طبع حزیں گھبراتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!
اے میرے نبی صدق وصفا!

جب ساتھی سب کھو جاتے ہیں، جب میں تنہا رہ جاتا ہوں
انجانے دکھ کی لہروں میں بے بس ہو کر بہہ جاتا ہوں
جب سہمی سہمی میری خودی لہروں میں غوطے کھاتی ہے
ایسے میں تڑپ اٹھتا ہے یہ دل! ایسے میں تری یاد آتی ہے!
اے میرے نبی صدق وصفا!

نبیؐ کے بچپن کا ایک گوشہ

ایک مرتبہ مکہ میں بارش نہیں ہو رہی تھی۔۔۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے لوگ بہت پریشان تھے۔۔۔

کوئی کہتا۔۔۔لات وعُزّیٰ کے پاس چلو۔۔۔

کوئی کہتا۔۔۔مَناۃ کے پاس چلو۔۔۔

اس پر ایک خوب صورت اور سمجھ دار قسم کے آدمی نے کہا:

تم کہاں بھٹک رہے ہو؟۔۔۔حالاں کہ تم میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی نشانی موجود ہے۔۔۔

یہ سن کر لوگوں نے کہا:

کیا آپ کا اشارہ ابوطالب کی طرف ہے؟۔۔۔

اس نے فوراً کہا: ہاں!

وہ سب کھڑے ہو گئے اور ابوطالب کے دروازے پر آئے۔۔۔ابوطالب باہر نکلے تو لوگوں نے کہا:

وادی میں قحط پڑا ہے۔۔۔بچے ہلاک ہو گئے۔۔۔آئیں! بارش کی دعا کریں۔۔۔

ابوطالب ان کے ساتھ چلے۔۔۔اس وقت حضور نبی ﷺ ان کی انگلی پکڑے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔آپ چھوٹے سے بچے تھے۔۔۔

ابوطالب نے آپ کی کمر خانہ کعبہ سے ملا دی اور آپ کی انگلی پکڑ کر آسمان کی طرف اٹھا دی۔۔۔

اس وقت آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا نہیں تھا۔۔۔یعنی بارش ہونے کے کوئی آثار نہیں تھے۔لیکن جونہی آپ کی انگلی اوپر اٹھی، بادل ادھر اُدھر سے جمع ہونے لگے۔۔۔اور پھر بارش شروع ہو گئی۔۔۔شہر اور دیہات سب کے سب سیراب ہو گئے۔۔۔

نبوت کے اعلان کے بعد جب قریش آپ کو ستانے لگے تو ایک مرتبہ ابوطالب نے ان سب سے اشعار کی صورت میں یہ بات بھی کہی۔۔۔

تم انہیں ستاتے ہو۔۔۔یہ تو روشن چہرے والے ہیں۔۔۔ان کے چہرے کا واسطہ دے کر تو بارش طلب کی جاتی ہے۔۔۔یہ تو یتیموں کے فریادرس ہیں۔۔۔بیواؤں کے محافظ ہیں۔۔۔آلِ ہاشم کے ضرورت مند انہیں کا دامن پکڑتے ہیں اور ایسا کرنے کی وجہ سے نعمتیں اور عزت پاتے ہیں۔

ثقافت کی تلاش

نسیم حجازی

پانچواں منظر

کامریڈ ۹ اور کامریڈ ۱۰ کی پٹری پر پیدل جا رہے ہیں۔ کامریڈ ۹ کے گلے میں ڈھول لٹک رہا ہے اور کامریڈ ۱۰ کے کوٹ کی جیب سے گھنگھروں جھنکار سنائی دے رہی ہے۔)

کامریڈ ۹ : (رُک کر بائیں ہاتھ ایک گاؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) بھئی! مجھے یقین ہے کہ لنڈا کوٹ یہی ہے۔ کافی بڑا گاؤں معلوم ہوتا ہے۔ اب ہمیں پٹری چھوڑ کر اس پگ ڈنڈی پر چلنا چاہئے۔ یہ ڈھول ایک مصیبت ہے۔ کاش ہمارے پاس کار ہوتی۔

کامریڈ ۱۰ : گھبراؤ نہیں میرے دوست! تم بہت جلد اُسے اُٹھا کر چلنے کے عادی ہو جاؤ گے۔

کامریڈ ۹ : میں کامریڈ الف دین سے مطالبہ کروں گا کہ آئندہ ایسی مہم کے لئے ہمیں ایک کار، ایک گراموفون، ایک لاؤڈ سپیکر اور بھنگڑا میوزک کے چند ریکارڈ مہیا کئے جائیں، پھر ہمیں لوگوں کے ساتھ ثقافت کے مسئلے پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں آئے گی۔ ہم ان دُور اُفتادہ دیہاتوں کے قریب پہنچتے ہی کار کے اندر بیٹھے بیٹھے بھنگڑا میوزک کا ریکارڈ لگا دیا کریں گے۔ پھر تم دیکھو گے کہ دیہاتی عوام کس طرح اُچھلتے کودتے اور تھرکتے ہوئے گھروں سے باہر نکلتے ہیں۔

کامریڈ ۱۰ : یہ تجویز معقول ہے۔ لیکن کار، گراموفون اور لاؤڈ سپیکر وغیرہ کا مطالبہ کرنے سے پہلے ہمیں کامریڈ الف دین کو کوئی کارگزاری دکھانی پڑے گی۔ تم اپنی نوٹ بک لے آئے ہو؟

کامریڈ ۹ : نہیں، میں تو وہ اپنے سامان کے ساتھ ہی چھوڑ آیا ہوں اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟

کامریڈ ۱۰ : بھئی! میں یہ چاہتا تھا کہ لوگ بھنگڑا ڈالتے وقت جو گیت گاتے ہیں وہ نقل کر لئے جائیں۔ تم بہت غیر ذمہ دار ہو لیکن اب چلو۔

(کامریڈ ۹ اور کامریڈ ۱۰ پٹری سے اُتر کر پگڈنڈی پر چل پڑتے ہیں۔ گندم، سرسوں اور کماد کے چند کھیت عبور کرنے کے بعد انہیں گاؤں سے باہر لوگوں کا ایک اجتماع دکھائی دیتا ہے اور وہ رُک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔)

کامریڈ ۱۰ : بھئی یہ عجیب اتفاق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے لوگ پہلے ہی بھنگڑا ڈالنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔

کامریڈ ۹ : کامریڈ! یہ تو اچھا خاصا اجتماع معلوم ہوتا ہے لیکن وہاں سے کوئی ڈھول وغیرہ کی آواز تو نہیں آتی۔ ہاں بھئی! وہ دیہاتی حویلی کے ڈھیر پر بیٹھا ہیر پڑھ رہا تھا کہ میلوں کے سوا دیہاتی لوگ عام طور پر باہر کھیتوں میں بھنگڑا ڈالتے ہیں۔

کامریڈ ۱۰ : اس وقت شاید ہمارا وہاں جانا مناسب نہ ہو۔ ہمیں کسی کھیت میں چھُپ کر انتظار کرنا چاہیے۔ جب بھنگڑا شروع ہو گا تو ہم چپکے سے اُن کے ساتھ جا ملیں گے۔ اگر ہم اس وقت وہاں گئے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں اپنا پروگرام ہی ملتوی نہ کر دیں۔

کامریڈ ۹ : نہیں بھائی! ہم اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتے۔ جھنڈو اور اُس کی صاحبزادی نے کہا کہ اگر ہم نے زیادہ دیر کی تو وہ ہمارا سامان دوکان دار کے پاس چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اس سفر میں ان سے ملاقات ہماری سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ہمیں ان سے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اگر وہ چلے گئے تو انہیں دوبارہ تلاش کرنا آسان نہیں ہو گا۔

میرا یہ مشورہ ہے کہ ہم بھنگڑے کے سُر تال پر ڈھول بجاتے ہوئے اُن لوگوں کے پاس پہنچ جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ ڈھول کی آواز سُنتے ہی وہ بے اختیار ناچنا شروع کر دیں گے اور ہمیں ثقافت کے موضوع پر لیکچر دے کر بنا بنایا کھیل بگاڑنے کا موقع نہیں ملے گا۔

کامریڈ ۱۰ : میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ اب یہ ڈھول مجھے دے دو اور خود تیار ہو جاؤ۔

کامریڈ ۹ : کس بات کے لئے تیار ہو جاؤں؟

کامریڈ ۱۰ : بھنگڑا ڈالنے کے لئے اور کس لئے (جیب سے گھنگرو نکال ۹ کو پیش کرتا ہے) اب وقت ضائع نہ کرو اور گھنگھرو باندھ لو۔

کامریڈ ۹ : دیکھو بھئی تم جانتے ہو کہ میں نے ابھی تک اچھی طرح بھنگڑا ناچ نہیں سیکھا۔ پھر جہاں اتنے لوگ موجود ہوں وہاں میرے شامل نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔

کامریڈ ۱۰ : (برہم ہو کر) دیکھو کامریڈ! یہ تمہاری ذاتی پسند یا ناپسند کا مسئلہ نہیں۔ میں پارٹی کے سینئر ممبر کی حیثیت سے اپنے خاص اختیارات استعمال کرتے ہوئے تمہیں دو منٹ کے اندر اندر گھنگھرو پہننے کا حکم دیتا ہوں۔ اگر تم نے پس وپیش کیا تو لاہور پہنچ کر تمہارے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔

کامریڈ ۹ : نہیں نہیں کامریڈ! اگر تم سینئر ممبر نہ ہوتے تو بھی مجھے تمہارے حکم سے سرتابی کی مجال نہ تھی۔

(کامریڈ ۹ ڈھول اُتار کر نیچے رکھ دیتا ہے اور پاؤں کے ساتھ گھنگھرو باندھ لیتا ہے۔)

کامریڈ ۱۰ : اب میں تمہیں ایک اور تحفہ دیتا ہوں۔

کامریڈ ۹ : وہ کیا ہے؟

کامریڈ ۱۰ : (اپنے کوٹ کی دوسری جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک مَیلا کچیلا کپڑا نکالتے ہوئے) یہ دیکھو!

کامریڈ ۹ : یہ کیا ہے؟

کامریڈ ۱۰ : ارے یار! یہ لنگوٹا ہے اور بھنگڑا ناچ میں اس کی اہمیت ڈھول اور گھنگھرو سے کم نہیں۔

کامریڈ ۹ : یہ غلیظ چیتھڑا تم نے کہاں سے لیا ہے؟

کامریڈ ۱۰ : بھئی وہ دکان دار کہتا تھا کہ بھنگڑا ناچ صرف لنگوٹا پہن کر کیا جاتا ہے اور اتفاق سے مجھے اُس کی دکان میں یہ لنگوٹا نظر آ گیا اور میں نے آنکھ بچا کر جیب میں ڈال لیا۔ اب تم کسی حیل وحجت کے بغیر یہ لنگوٹا پہن لو اور قیمتی وقت ضائع نہ کرو۔

کامریڈ ۹ : کامریڈ! تم مجھے اپنی سینیارٹی کا رُعب ڈال کر تنگ کرنا چاہتے ہو۔ پتلون کے اوپر لنگوٹا باندھنے کا مطالبہ انتہائی نامعقول ہے۔

کامریڈ ۱۰ : بھئی تمہیں پتلون کے اوپر لنگوٹا پہننے کا مشورہ کس بے وقوف نے دیا ہے؟

کامریڈ ۹ : اچھا تو تمہارا مطلب ہے کہ مجھے پتلون اُتار کر لنگوٹا باندھنا پڑے گا؟

کامریڈ ۱۰ : یار تم جان بوجھ کر وقت ضائع کر رہے ہو۔ کم از کم اتنا تو سوچو کہ کامریڈ جھنڈو اور اس کی صاحبزادی تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔

کامریڈ ۹ : کامریڈ! میں احتجاج کرتا ہوں۔ میں شدید احتجاج کرتا ہوں۔ میری ٹانگیں اس قابل نہیں کہ دیہاتیوں کے سامنے اُن کی نمائش کی جائے۔ میری رانیں میری پنڈلیوں سے بھی زیادہ پتلی ہیں۔ یہ لنگوٹا تم پہن لو اور ڈھول کی خدمت میرے سپرد کر دو۔

کامریڈ ۱۰ : دیکھو کامریڈ! تم پورا ایک مہینہ بھنگڑا ناچ کی مشق کر چکے ہو اور میں نے اس عرصہ میں صرف ڈھول بجانا سیکھا ہے۔ اپنی ٹانگوں کے متعلق تمہیں لاہور میں سوچنا چاہئے تھا۔ اب بحث کا وقت نہیں۔ پھر اگر ہماری ٹانگوں کا موازنہ کیا جائے تو تم اس لحاظ سے خوش قسمت ہو کہ تمہاری ٹانگیں صرف پتلی ہیں۔ میری طرح پتلی ہونے کے علاوہ ٹیڑھی نہیں۔ تم سامنے اُس کماد کے کھیت میں چلے جاؤ اور اپنا لباس اور بُوٹ اُتار کر وہیں رکھ آؤ۔ بھنگڑا ناچ یا تو ننگے پاؤں کیا جاتا ہے یا دیسی جوتے کے ساتھ۔

کامریڈ ۹ : میں انتہائی مجبوری کی حالت میں لنگوٹا پہننے کے متعلق تمہارے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ اور اگر تم بضد ہو تو میں بُوٹ بھی اُتار دیتا ہوں لیکن اس سردی میں کوٹ پتلون اور سویٹر اُتارنا میرے لئے خودکشی کے برابر ہوگا۔ میں بھنگڑا ڈالنے کے لئے جا رہا ہوں، پیراکی کے مقابلے میں شریک ہونے نہیں جا رہا۔

کامریڈ ۱۰ : کامریڈ! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ پانچ منٹ ناچنے کے بعد تمہیں پسینہ آ جائے گا۔

کامریڈ ۹ : تم پنسلین کے ٹیکے ساتھ لائے ہو؟

کامریڈ ۱۰ : وہ کس لئے؟

کامریڈ ۹ : وہ اس لئے کہ پسینے کے بعد ٹھنڈی ہوا لگنے سے میں قدرت کی طرف سے کم از کم جس انعام کی توقع کر سکتا ہوں وہ نمونیا ہے۔

کامریڈ ۱۰ : بہت اچھا میں کوٹ وغیرہ اُتارنے کے متعلق تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ اب جلدی کرو۔

کامریڈ ۹ : لیکن کامریڈ! مجھے پتلون اُتارنے پر بھی اعتراض ہے۔ اگر میری نحیف اور لاغر ٹانگوں کی نمائش کے بغیر تمہارا کام نہیں چل سکتا تو میں پتلون کے پائنچے اُوپر چڑھا لیتا ہوں۔ اس طرح تمہاری بات بھی رہ جائے گی اور میں بھنگڑے کے بعد تشنج کے خطرے سے بھی بچ جاؤں گا۔ ورنہ میری پتلون تمہیں اُٹھانی پڑے گی۔

کامریڈ ۱۰ : دیکھو بھئی اب وقت ضائع نہ کرو۔ اگر تم اپنی پتلون یہاں نہیں چھوڑنا چاہتے تو اُسے سر پر لپیٹ لو۔ دیہاتی لوگ بھنگڑا ڈالتے وقت اپنے سر پر چھوٹے چھوٹے پٹکے باندھ لیتے ہیں

اورتم پتلون سے یہ کام لے سکتے ہو۔

کامریڈ 9 : (بددلی کے ساتھ) بہت اچھا کامریڈ! اگر آپ چاہتے ہیں تو میں اپنے بوٹوں کو بھی گلے کے ساتھ باندھنے کے لئے تیار ہوں۔

نہیں بھی! اب بے معنی باتیں نہ کرو۔ بُوٹ یہیں کسی جگہ چھپا کر رکھ دو۔ (**کامریڈ 9** کماد کے کھیت کی اوٹ میں چلا جاتا ہے)

وقفہ

کامریڈ گندم، سرسوں اور کماد کے کھیتوں سے نکل کر درختوں کے ایک جھنڈ کے سامنے رُکتے ہیں۔ اُن کے سامنے چند خالی کھیت ہیں اور اُن سے آگے کوئی دو تین فٹ اُونچی مینڈ کے پار گاؤں کے لوگ کھڑے ہیں۔

کامریڈ 10 : کامریڈ! تم تیار ہو؟

کامریڈ 9 : میں تیار ہوں۔

کامریڈ 10 : مجھے یقین ہے کہ جب تم بھنگڑا ڈالتے ہوئے اُن کی طرف بڑھو گے تو وہ لوگ خود بہ خود ہماری طرف کھینچ آئیں گے۔ دیہاتی ثقافت کے عظیم مظاہرے کے لئے ان کھیتوں سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ کتنا دلکش منظر ہے۔ کہیں سرسوں پھولی ہوئی ہے۔ کہیں گندم کے کھیت لہلہا رہے ہیں۔ نہ معلوم اس کماد کے گھنے جنگل میں کتنے رُومان پرورش پا چکے ہوں گے۔

کامریڈ 9 : دیکھو اس مینڈ کے پاس پیال کا ایک ڈھیر بھی ہے۔ کاش! کامریڈ الف دین ہمیں ایک موو ی کیمرہ دے دیتا۔

کامریڈ 10 : کامریڈ! وہ لوگ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ ریڈی!!

(**کامریڈ 10** ڈھول بجاتا ہے **کامریڈ 9** ہاتھ اُٹھا کر ناچ شروع کر دیتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہیں۔ گاؤں کے بعض لوگ مینڈ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور بعض مینڈ عبور کر کے اُن کی طرف چل پڑتے ہیں۔)

کامریڈ 9 : کامریڈ! کام بن گیا۔ ذرا زور سے ڈھول بجاؤ۔

(گاؤں کے لوگ شور مچاتے ہیں اور اُن کی آوازیں ہر لحظہ ہوتی جاتی ہیں۔ بعض لوگ چلنے کے بجائے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں)۔

کامریڈ 10 : (خوشی سے نعرہ لگاتا ہے) لنڈا کوٹ زندہ باد۔ ثقافت زندہ باد۔

(دیہاتیوں کی آوازیں آتی ہیں) دوڑ و پکڑو۔ یہ بدمعاش ہیں۔

کامریڈ 9 : (بدحواس ہو کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے) کامریڈ! یہ کیا بات ہے؟

کامریڈ 10 : بے وقوف! تم رُک کیوں گئے۔ خدا کے لئے بنا بنایا کھیل بگاڑنے کی کوشش نہ کرو۔

کامریڈ 9: کامریڈ! وہ گالیاں دے رہے ہیں۔

کامریڈ 10 : بے وقوف! یہ گالیاں ہماری ثقافت کی ایک اہم حصہ ہیں۔

(چند آدمی قریب پہنچتے ہی ڈھیلوں اور جوتوں کی بارش شروع کر دیتے ہیں۔ **کامریڈ 9** کماد کی طرف بھاگ نکلتا ہے۔ **کامریڈ 10** اپنے گلے سے ڈھول اُتار کر پھینک دیتا ہے اور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ایک تیز رفتار نوجوان اس کی گردن دبوچ لیتا ہے۔)

کامریڈ 10 : بھائیو! ٹھہرو۔ تمہیں ہمارے متعلق غلط فہمی ہو گئی ہے۔ ہم تمہارے بھنگڑا دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے اپنے زندہ دل چودھری کے پاس لے چلو۔ میں ڈوم ہوں۔ میں کاونت ہوں۔ میں بہروپیا ہوں۔

(ایک نوجوان ڈھول اُٹھا کر اُس کے سر پر دے مارتا ہے۔ ڈھول کا چمڑا پھٹ جاتا ہے اور **کامریڈ 10** کے جسم کا بالائی حصہ اُس کے اندر غائب ہو جاتا ہے۔ ڈھول کے اندر سے عجیب و غریب آوازیں نکلتی ہیں۔ نوجوان مُکا رما کر ڈھول کے بالائی حصے کا چمڑا بھی پھاڑ ڈالتا ہے۔ اُس کے بعد وہ زور سے ڈھول کو نیچے کی طرف دباتا ہے۔ کامریڈ کا سر گردن تک باہر نکل آتا ہے اور ٹانگوں کے اُوپر سے لے کر کندھوں تک باقی جسم ڈھول میں اچھی طرح پھنس جاتا ہے۔ گاؤں کے منچلے **کامریڈ 10** کو ڈھول دھپّا کرتے اور دھکّے دیتے ہوئے گاؤں کی طرف لے جاتے ہیں۔ مینڈ کے کے قریب ایک بوڑھا آدمی اُنہیں ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہے۔)

بوڑھا: تمہیں جنازہ چھوڑ کر بھاگتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ یہ بدمعاش کون ہے؟

کامریڈ 10 : چودھری جی! میں بہروپیا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہاں جنازہ پڑا ہوا ہے۔

بوڑھا: اب اسے جانے دو، اس کے لئے اتنا کافی ہے۔

(لوگ اُسے چھوڑ کر بوڑھے کے ساتھ قبرستان کی طرف چلے جاتے ہیں۔ **کامریڈ 10** اسی طرح ڈھول میں جکڑا ہوا نہر کی طرف چل پڑتا ہے۔ کماد کی طرف **کامریڈ 9** کا پیچھا کرنے والوں کی چیخ پکار ابھی تک سنائی دیتی ہے۔

مسلمان کا زوال

ابن سلطان

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسّر، تونگری سے نہیں

الفاظ و معنی:

زر = دولت قاضی الحاجات = ضروریات پوری کرنے والا
میسر = حاصل، دستیاب تونگری = دولت مندی، امیری

علامہ فرماتے ہیں کہ دنیاوی ضروریات تو دولت سے پوری ہو جاتی ہے لیکن جو چیز فقر سے حاصل ہوتی ہے وہ دولت مندی سے حاصل نہیں ہو سکتی، فرد یا قوم و ملت کی جن ضروریات کی تکمیل فقر کے ذریعہ ہوتی ہے، اسے دولت کے ذریعہ پورا نہیں کیا جا سکتا۔

اگر جواں ہوں مری قوم کے جسُور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں

الفاظ و معنی:

جسور = بہادر، دلیر غیور = غیرت مند
قلندری = دنیا و مافیہا سے بے نیاز سکندری = بادشاہت

علامہ فرماتے ہیں کہ اگر میری قوم کے نوجوانوں کے اندر صرف دو صفات پیدا ہو جائیں تو بے سروسامانی اور فقر کے باوجود ہم ہی بادشاہت و حکم رانی کریں گے۔ وہ دو صفات ہیں؛ بہادری و غیرت۔

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں

جس زوال سے آج امت دوچار ہے، اس کا سبب مال دولت کی کمی نہیں ہے بلکہ اس کا سبب جو کچھ ہے وہ ہم سب جانتے ہیں۔ اس زوال کا سبب جرأت و غیرت ایمانی کی کمی ہے۔

اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہُوا
قلندری سے ہُوا ہے، تونگری سے نہیں

الفاظ و معنی:

آشکار ہونا = ظاہر ہونا، کھلنا جوہر = خصوصیات و خوبی

علامہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں میری جو خوبی ظاہر ہوئی ہے وہ بھی فقر سے ہی ہوئی ہے مالداری سے نہیں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم بحیثیت امت مسلمہ جب غالب ہوئے پھلے پھولے ہماری خوبیاں جو جگ ظاہر ہوئیں وہ سب دولت کے سبب نہیں بلکہ فقر و قلندری سے ہوئیں۔

''اگر شاتم رسول ﷺ کے قتل کے جواز کے باوجود سے قتل نہ کیا جائے تو یہ صریحاً حد درجہ کی رسوائی اور تحقیر و تذلیل کی بات ہے۔'' (امام ابن تیمیہؒ)

''امت کو زندہ رہنے کا کیا حق ہے، جب اس کے رسول ﷺ کو گالیاں دی جائیں۔'' (امام مالکؒ)

توہین رسالت ﷺ کی سزا

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

رسول اللہؐ کی تقدیس کے متعلق مسلمانوں کے جذبات کا صحیح اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے اسلام میں قتل کی سزا ہے اور آپ کو گالی دینے والے کا خون مباح قرار دیا گیا ہے۔ نسائی میں کئی طریقوں سے ابو برزہ الاسلمیؓ کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ''حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک شخص پر ناراض ہو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اس کی گردن ماردوں؟ یہ سنتے ہی آپ کا غصہ دور ہوگیا اور آپ نے جھڑک کر مجھے فرمایا:

مَا هٰذَا لِاَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

یعنی رسول اللہؐ کے بعد یہ کسی کا درجہ نہیں کہ اس کی گستاخی کرنے والے کو قتل کی سزا دی جائے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک اندھے مسلمان کی لونڈی نے رسول اللہؐ کی شان میں گستاخی کی اور اس مسلمان نے تکلے سے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ دوسرے دن جب اس کے مارے جانے کی خبر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ جس نے یہ کام کیا ہے اس کو میں خدا کی قسم دے کر یہ کہتا ہوں کہ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ سن کر وہ اندھا گرتا پڑتا آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ فعل میں نے کیا ہے۔ وہ میری لونڈی تھی، مجھ پر مہربان تھی، مگر آپ کی شان میں بہت بدگوئی کرتی تھی، میں اسے منع کرتا تھا تو نہیں مانتی تھی۔ میں ڈانٹتا تو اس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ کل رات پھر اس نے آپ کو برا کہا۔ اس پر میں اٹھا اور تکلا چبھو کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''سب لوگ گواہ رہیں کہ اس کے خون کی کوئی قیمت نہیں ہے۔''

اسی طرح بخاری شریف میں کتاب المغازی میں کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ موجود ہے کہ وہ رسول اللہ کی ہجو کر کے اور قریش کو آپ کے خلاف بھڑکا کر آپ کو ایذا دیتا تھا، اس لیے آپؐ نے محمدؓ بن مسلمہ کے ہاتھوں اسے قتل کروا دیا۔ ابی داؤد میں کعب بن اشرف کے قتل کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ''وہ نبی ﷺ کی ہجو کرتا تھا اور کفار قریش کو آپ کے خلاف جوش دلاتا تھا''۔

قسطلانی میں بخاری کی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ

''وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا تھا۔ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا اور قریش کو ان کے خلاف بھڑکاتا تھا''۔

ابن سعد نے بھی اس کی قتل کی یہی وجہ بیان کی ہے: ''وہ ایک شاعر تھا۔ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی ہجو کرتا تھا اور ان کے خلاف لوگوں کے جذبات کو بھڑکاتا تھا''۔

کتب فقہ میں اس کے متعلق صریح احکام موجود ہیں اس کے بعد مولانا مودودی، شامی اور شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ کے فتاویٰ اور اقوال کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں: ''پس جزئیات میں فقہاء کے درمیان خواہ کتنا ہی اختلاف ہو، مگر رسول اللہ ﷺ کی اس عظمت میں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی سب کا اتفاق ہے۔ آپ کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ اس سے صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں داعی اسلام ﷺ کی حرمت وعزت کے متعلق کیا احکام ہیں۔ اس بارے میں مسلمانوں کا مذہب ان کو کیا تعلیم دیتا ہے۔

(تحفظ ناموس رسالت ص ۹۰۔۸۹)

کیا ہمارا پیسہ بینکوں میں محفوظ ہے؟

سراج الدین فلاحی

آج کل بینکنگ سیکٹر کے جو حالات ہیں ان سے تقریباً ہر شخص خوف زدہ ہے اور اس کے دل میں مستقل ایک سوال گردش کرتا رہتا ہے کہ مجھے اپنا پیسہ بینکوں میں رکھنا چاہیے یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ اگر انڈین بینک ڈوب گئے تو کیا بینکوں میں رکھا ہوا ہمارا اور آپ کا پیسہ بھی ڈوب جائے گا جو ہم اور آپ نے بڑی محنت سے کمایا ہے اور جوڑ جوڑ کر بینکوں میں جمع کیا ہے۔ آیا وہ پیسہ بینک آپ کو واپس کرے گا یا بینک کے ساتھ وہ بھی ڈوب جائے گا؟ یا اگر ہمارا پیسہ بینکوں میں محفوظ ہے تو کس حد تک؟ جس طرح بینکوں کو آپس میں ضم کیا جا رہا ہے اس سے تو یہ سوال بھی پیدا ہو رہا ہے کہ کہیں ہمارے ملک کا بینکنگ سسٹم Collapse تو نہیں کر رہا ہے؟ مندی کے اس دور میں جہاں کئی بینک دیوالیہ ہونے کے قریب ہیں وہیں Punjab & Maharashtra Co-Operative Bank (PMC) بینک جو ایک اچھا بینک مانا جاتا ہے، اس نے تو ایمرجنسی نافذ کر دی ہے۔ اس بینک کے تقریباً ساڑھے سولہ لاکھ اکاؤنٹ ہولڈرس اپنے پیسوں کی واپسی کے لئے ممبئی کی سڑکوں پر جدوجہد کر رہے ہیں کیونکہ بینک میں رقم نہیں ہے اور رقم نہ ہونے کی وجہ سے آر بی آئی نے بینک کھاتے داروں کو چھ ماہ میں صرف چالیس ہزار روپے نکالنے کی اجازت دی ہے۔ یہ سن کر کئی افراد، جن کی ایک بڑی رقم بینک میں جمع ہے، وہ یا تو خودکشی کر رہے ہیں یا دل کا دورہ پڑنے سے لقمہ اجل بن رہے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے ساتھ بھی ایسا نہ ہو اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جس طرح بینکوں کی Share Price لڑھک رہی ہے، اس سے عوامی تشویش اور ڈر میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے کہ کہیں ہم Banking or Financial Crises کی طرف تو نہیں بڑھ رہے ہیں؟

اس دور میں ہر شخص اپنے تھوڑے بہت پیسے اپنی کمائی سے بچا کر رکھتا ہے تاکہ مصیبت اور ناگہانی آفت کے وقت کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ یہ سوچ کر کہ ان کے پیسوں کے لیے سب سے محفوظ جگہ بینک ہے وہ اپنے پیسوں کو بینک میں جمع کرتا ہے۔ بینکوں کا حال یہ ہے کہ موجودہ حکومت میں ان Non Performing Assets (NPA) بڑھتا جا رہا ہے۔ NPA اس برے لون کو کہتے ہیں جو ڈوب چکا ہے اور اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ این پی اے 2011ء میں 2.4 فیصد سے بڑھ کر 2019ء میں 9.3 فیصد ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بینکوں میں تقریباً 9 لاکھ 33 ہزار کروڑ روپے کے لون کے واپس آنے کی امید ختم ہو چکی ہے۔ انڈیا کے مرکزی بینک آر بی آئی کے مطابق گزشتہ چند سالوں میں ہی 5 لاکھ 55 ہزار تین سو کروڑ روپے کا لون رائٹ آف کیا گیا ہے۔ Right Off کا مطلب لون معاف نہیں کیا گیا ہے بلکہ کا بینکوں میں اس لون کے واپس آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اسی طرح بینکوں میں ہونے والے فراڈ میں بھی اضافہ دیکھنے کو ملا ہے۔ 2015ء میں بینکوں کے ساتھ ہونے والے فراڈ کے 4693 کیسیز تھے جو 2019ء میں بڑھ کر 6800 ہو گئے یعنی بینکوں سے پیسہ لے کر فرار ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جن میں بطور خاص بڑے بڑے صنعت

کار شامل ہیں۔ حال ہی میں FITCH، جو کہ ایک عالمی کریڈٹ ریٹنگ ایجنسی ہے اور اس کا شمار دنیا کی تین چوٹی کی ایجنسیوں میں ہوتا ہے اس نے انڈین بینکنگ سسٹم پر جو آنکڑے دیے ہیں وہ چونکا دینے والے ہیں۔ اس ایجنسی کا کہنا ہے کہ ہندوستان کے بینک تقریباً 50 بلین ڈالر کے سرمایہ کی کمی کا سامنا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح Moody's Asia Pacific Ltd بھی ایک کریڈٹ ریٹنگ ایجنسی ہے، جو مختلف طرح کی ریسرچ کے ذریعے بینکوں اور فرموں کے Risk کا تجربہ کرتی ہے اور اس پر اپنی Credit Opinion شائع کرتی ہے۔ اس نے Asia Pacific Economies میں تیرہ ملکوں کے بینکوں کی جو درجہ بندی کی ہے، اس میں انڈین بینکنگ سسٹم کو انڈونیشیا کے ساتھ سب سے زیادہ غیر محفوظ بتایا ہے۔ موڈیز کے مطابق ہندوستانی بینک اپنے کم سرمایہ کے سبب سب سے زیادہ غیر محفوظ ہیں۔ ابھی چند دنوں قبل معاشیات میں نوبل انعام یافتہ ابھیجیت بنرجی نے بھی کہا ہے کہ ہندوستانی بینک کے خدشات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور یہ دیوالیہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

انڈین بینکوں کی خراب صورتِ حال کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ Housing Development Finance) HDFC(Corporation بینک کے چیئرمین دیپک پاریکھ جن کا شمار ایک بڑے بینکر کے طور پر ہوتا ہے انہوں نے چند روز قبل ایک بڑا بیان دیا ہے کہ ملک کی بڑی کمپنیوں کو دیے گئے بڑے بڑے لون صرف NPA میں ہی نہیں ڈالے جا رہے ہیں بلکہ بڑے پیمانے پر لون معاف بھی کیے جا رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عوام کی گاڑھی کمائی کے پیسوں کی حفاظت کا کوئی مضبوط اور مستحکم Financial System ہمارے بینکوں کے پاس نہیں ہے۔ دیپک پاریکھ کا مذکورہ بالا بیان اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ چند روز قبل آر ٹی آئی کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ملک کے سب سے بڑے بینک SBI نے، 220 بڑے قرض داروں کو دیے گئے 76 ہزار کروڑ روپے کا لون ابھی حال ہی میں NPA میں ڈال دیا ہے۔ اگر ملک کے تمام شیڈول کمرشیل بینکوں کو ملا کر دیکھیں گے تو یہ رقم بہت زیادہ ہو جائے گی۔ گویا بینک بھی یہ بات مان چکے ہیں کہ ان کے ذریعے دیے گئے قرضوں کی وصولی اب ناممکن ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے بینک کا چیئرمین اگر اس طرح کی باتیں کرتا ہے تو یہ بڑی تشویش ناک بات ہے۔ تصور کیجئے کہ کارپوریٹ سیکٹر کو جو لون دیا گیا ہے، بینک اسے تو NPA میں ڈالے چلے جا رہے ہیں لیکن بینکوں میں عام لوگوں کی محنت سے کمائی گئی جو بچت ہے، اس کی حفاظت کا کوئی مستحکم نظام بینکوں کے پاس نہیں ہے۔

بینکوں میں تو لوگ اپنا پیسہ اس لیے رکھتے ہیں تاکہ چوری اور ضیاع سے بچا سکیں لیکن آج کل تو بینکوں سے ہی پیسے چوری ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس پورے معاملے پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے بینکنگ سسٹم ہی کے ذریعے ہمارے پیسوں کی لوٹ چل رہی ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ حکومت ہمارے پیسوں کو کارپوریٹ سیکٹر پر لٹا رہی ہے۔ HDFC، جو کہ ایک پرائیویٹ بینک ہے، یہ تو اب اپنے کھاتے داروں کے passbook پر اسٹیمپ لگا کر یہ بتانے لگا ہے کہ اگر بینک ڈوبتا ہے تو اکاونٹ ہولڈروں کو DICGC کے ضابطے کے تحت صرف ایک لاکھ روپے تک ہی ملیں گے چاہے بینک میں جمع رقم کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ قابل غور بات یہ ہے کہ Deposit Insurance and Credit (DICGC)CorporationGuarantee

جو کہ آر بی آئی کی ایک سبسڈری کمپنی ہے اور ڈپازٹ انشورنس کی نگرانی کرتی ہے۔ اس کا قیام 1961ء میں اس مقصد کے تحت عمل میں آیا تھا کہ اگر کوئی بینک کسی وجہ سے ناکام، مقروض اور دیوالیہ پن کا شکار ہو جاتا ہے یا بینک کا لائسنس منسوخ ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں صرف 30 ہزار روپے دیے جائیں گے گرچہ بینک میں جمع رقم کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ DICGC میں 1993ء میں تبدیلی لائی گئی اور 30 ہزار رقم کو بڑھا کر ایک لاکھ روپے کر دیا گیا جبکہ دنیا کے بہت سارے ایسے ممالک بھی ہیں جہاں کھاتے داروں کا بینکوں میں کل جمع پیسہ insured ہوتا ہے برازیل میں 42 لاکھ روپے، روس میں 12 لاکھ روپے INSURED ہوتا ہے لیکن انڈیا میں اس کی حد صرف ایک لاکھ روپیہ ہے۔ یعنی اگر اس وقت آپ کے اکاؤنٹ میں دس، بیس لاکھ یا اس سے بھی زیادہ رقم جمع

ہے اور کسی وجہ سے بینک ڈوب جاتا ہے تو آپ کو صرف ایک لاکھ روپے ہی ملیں گے۔ اگر آپ کے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ روپے سے کم رقم ہے تو اتنے ہی ملیں گے جتنا پیسہ آپ کے اکاؤنٹ میں ہے۔ اس بات کی بھی گارنٹی نہیں ہے کہ وہ ایک لاکھ روپے کیش میں ملیں گے یا بانڈز یا کسی دوسری شکل میں؟ اور یہ بھی طے نہیں ہے کہ کتنی مدت میں ملیں گے۔ اس لئے ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ کیا بینکوں میں ہمارا پیسہ محفوظ بھی ہے یا کسی دن بینک اچانک کہہ دے گا کہ بینک ڈوب گیا اس لیے اب سارے اکاونٹ ہولڈرس کا پیسہ بھی ڈوب گیا۔

عوام کی ایک بڑی تعداد سود کے لیے بینکوں میں اپنا پیسہ رکھتی ہے یہ سوچ کر کہ پیسہ بھی محفوظ رہے گا اور کچھ نہ کچھ سود بھی ملتا رہے گا۔ اس سے قطع نظر کہ سود کھانا حرام ہے، اس پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔ چند روز قبل SBI نے شرح سود میں کمی کا اعلان کیا ہے۔ اگر آپ کے اکاونٹ میں ایک لاکھ روپے سے کم ہیں تو بینک آپ کو 3.25 فیصد سود ادا کرے گا اور اگر آپ کے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ روپے سے زیادہ رقم ہے تو بینک صرف 3 فیصد سود ہی دے گا۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت جب کہ (Inflation) مہنگائی 3.50 فیصد ہے اور بینک میں جمع رقم پر شرح سود صرف 3 فیصد ہے تو بینک میں پیسہ جمع کرنے کے کا کیا مطلب؟ یعنی آپ سود میں جتنا کما رہے ہیں اس سے زیادہ مہنگائی میں گنوا رہے ہیں گویا بینک میں پیسہ رکھنے سے بجائے فائدہ ہونے کے آپ کا نقصان ہو رہا ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیئے۔ فرض کیجئے، اس سال آپ کی تنخواہ میں پانچ فیصد کا اضافہ ہوا اور معیشت میں مہنگائی بھی پانچ فیصد بڑھ گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی آمدنی میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہوا۔ بینک اس لیے شرح سود کم کر رہے ہیں تا کہ لوگ اپنا پیسہ بینک میں نہ رکھ کر زیادہ سے زیادہ خرچ کریں یا بازار میں سرمایہ کاری کریں تا کہ معیشت میں ڈیمانڈ بڑھے اور مندی کا خاتمہ ہو۔ یہاں پر سوچنے والی بات یہ ہے کہ جب بینک کسی کو لون دیتا ہے تو بدلے میں دکان، مکان، کھیت کھلیان وغیرہ کی شکل میں سیکورٹی رکھتا ہے تا کہ وہ اپنے پیسے کی واپسی کو یقینی بنا سکے۔ لیکن بینک آپ کے پیسوں کو واپس کرنے کی کوئی گارنٹی نہیں لیتا!!!

لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے، بے شک اللہ علیم وخبیر ہے۔ دیکھو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضلیت، لحاظ و امتیاز حاصل نہیں مگر ہاں تقوی کے سبب۔

(خطبۂ حجۃ الوداع)

نعت

ہُدہُد الہ آبادی

اِک پل کے لیے دنیا میں کہیں، توہینِ نبیؐ منظور نہیں
آقا کے سپاہی زندہ ہیں، آقا کے فداہی زندہ ہیں
زندہ ہے خُدّامِ دینِ مبین، توہینِ نبی منظور نہیں
اِک پل کے لیے دنیا میں کہیں، توہینِ نبیؐ منظور نہیں
ناموسِ رسالت کی خاطر، ہر آن ہماری جان حاضر
نکلیں گے گھروں سے گوشہ نشیں، توہینِ نبیؐ منظور نہیں
اِک پل کے لیے دنیا میں کہیں، توہینِ نبیؐ منظور نہیں
ہر دور میں کالے ناگوں نے، ڈسنے کی روِش نہ چھوڑی اگر
غفلت میں نہیں ہیں اہلِ دیں، توہینِ نبیؐ منظور نہیں
اِک پل کے لیے دنیا میں کہیں، توہینِ نبیؐ منظور نہیں
ہُدہُدؔ کا تو ہے ایمان ویقیں، نعلینِ نبیؐ دنیا سے حسیں
دیتی ہے صدائے عرشِ بریں، توہینِ نبیؐ منظور نہیں
اِک پل کے لیے دنیا میں کہیں، توہینِ نبیؐ منظور نہیں

روحِ محمدؐ اُس کے بدن سے نکال دو

ایس احمد پیرزادہ مرسلہ: ڈاکٹر عبدالستار ملک

ابھی چند ہی دن پہلے راقم السطور کی نظر سے ایک پاکستانی کالم نگار کا مضمون گذرا، جس میں انہوں نے ایک یہودی سے کئی سال پہلے فرانس میں ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ بقول کالم نگار کے، مذکورہ یہودی ''اسلام میں شدت پسندی'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کر رہا تھا اور جب اس کالم نویس نے اُن سے پوچھا کہ آپ کی ریسرچ کہاں تک پہنچی ہے اور آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟ تو اس ریسرچ اسکالر یہودی نے درجواب کہا کہ میری ریسرچ مکمل ہو چکی ہے اور میں اپنی Thesis لکھ رہا ہوں۔ میں نے اپنی ریسرچ میں یہ پایا ہے کہ ''مسلمان اسلام کے بجائے اپنے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔ قرآن کے احکامات پر (نعوذ باللہ) تنقید کی جائے تو ان کا ردعمل شدید نہیں ہوتا ہے، مسجدوں کو (العیاذ باللہ) مسمار کیا جائے تو یہ لوگ آپے سے باہر نہیں ہوتے ہیں، اُن کے نوجوانوں کو تہہ تیغ کیا جائے تو انہیں اتنا دُکھ نہیں ہوتا۔ (خدانخواستہ) ان کی عفت مآب ماؤں بہنوں کی عزت لوٹ لی جائے تو یہ اپنے معمولات میں فرق نہیں آنے دیتے ہیں، انہیں اسلامی عبادات وغیرہ سے روکا جائے تو یہ برداشت کر لیتے ہیں، لیکن جب ان کے رسولؐ کی شان میں کوئی معمولی سی گستاخی بھی کرتا ہے تو پھر یہ لوگ کٹ مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ تمام آپسی اختلافات کو بھلا کر یک جُٹ ہو جاتے ہیں اور ردِّ عمل میں خطرناک قسم کی شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو اگر مختلف خانوں میں بانٹے رکھنا ہے تو کسی بھی سطح پر اُن کے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کا سوچا بھی نہیں جانا چاہیے اور مسلمانوں کو زیر کرنے کے لئے ایسی حکمتِ عملی ترتیب دینی چاہیے کہ مسلمانوں کے دلوں سے (خاکم بدہن) محبتِ رسول ﷺ نکل جائے''۔

یہودی ریسرچ اسکالر کے تجزیہ (کا بیشتر حصہ تسلیم نہ کرنے کے باوصف اُس) کا ایک پہلو صد فیصد سچائی پر مبنی ہے کہ مشرق و مغرب میں مسلمانوں کو اپنے نبی ﷺ سے اس حد تک محبت ہے کہ انؐ کے لئے وہ اپنی جان، مال، اولاد یعنی سب کچھ لٹا سکتے ہیں۔ حُبِّ رسولؐ کی جب بات ہو تو ایک گنہ گار اور نافرمان مسلمان بھی سر پہ کفن باندھ کر میدانِ عمل میں کود سکتا ہے۔ پھر مسلمانوں کا راستہ نہ فوج روک سکتی ہے، اور نہ ہی کروز میزائل انہیں ڈرا سکتے ہیں، نہ اُنہیں خوف زدہ کر سکتے ہیں اور نہ ایٹم بم کی تباہ کاریوں کی اُنہیں پرواہ ہے۔ نبی ﷺ کی محبت کے بغیر مسلمان بلاشبہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ اس کا ایمان مکمل نہیں ہے۔ اس کی عبادات اور دینی مشغولیات اُسی وقت ثمر آور ثابت ہو سکتی ہیں جب تک دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ اُس کے دل میں رسولِ رحمت ﷺ کی محبت ہو۔ موت کا ڈر تو دشمنانِ دین کو لگا رہے گا، کیونکہ اُن کے لئے تو سب کچھ یہی دنیا ہے۔ مسلمان کے لئے اس سے بڑا کوئی انعام نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے ہر مشکل اور ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرے۔ (تحفظ ناموس رسالت ص ۱۵۶۔۱۵۷)

Nukushe-E-Rah

New RNI Number : MAHURD/2018/7738

Postal Reg No:G/Akl Dn/258/2019-21

مصری عالم دین سید قطب شہیدؒ کے ذریعہ زنداں میں کی جانے والے عربی زبان کی مایہ ناز تفسیر

فِی ظِلَالِ القُرآن

کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کی ساتھ بذریعہ

مولانا سید حامد علیؒ صاحب/مولانا مسیح الزماں فلاحی، ندوی صاحب

مکمل سیٹ (۱۸/جلدیں)
قیمت 7500 روپئے میں

- شُستہ، شگفتہ عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر۔
- علمی، فکری اور سائنٹفک تفسیر۔ دعوتی، تربیتی اور انقلابی تفسیر۔ وجدانی اور ادبی تفسیر۔
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بہترین تفسیر۔
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج وزوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو۔
- اسلامی جماعت کے کارکنان کے لیے بہترین مشعل راہ۔
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت وطباعت اور پر کشش ٹائٹل۔

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کے لئے ضرور منگائیں۔

اپنا آرڈر بک کرائیں: 9899693655

ای میل: gpddelhi2018@gmail.com

Nukushe-E-Rah

1st Floor, Opp. Basera Apartment
Subhash Chowk, Akola-444001

0724-2434333
8266997613
nukusherah@gmail.com